مظہر محمود شیرانی:

تذکرۂ مخزن الغرائب و انیس العاشقین

(ایک دلچسپ ادبی معرکہ)

مولانا حبیب الرحمان خاں شروانی، حافظ محمود شیرانی، پروفیسر محفوظ الحق اور ڈاکٹر عبداللہ چغتائی ہماری علمی تاریخ کی معروف شخصیتیں ہیں۔

سنہ ۲۵ - ۱۹۲۴ء میں احمد علی ہاشمی کے تذکرۂ مخزن الغرائب کے موضوع پر ایک ادبی مباحثہ برپا ہوا جس میں مولانا شروانی، پروفیسر محفوظالحق اور بظاہر ڈاکٹر عبداللہ چغتائی نے حصہ لیا۔ بحث سے متعلق مضامین "معارف" (اعظم گڑھ) اور "ہمایوں" (لاہور) میں شایع ہوئے۔

اس سلسلے کا پہلا مضمون مولانا حبیب الرحمان شروانی کا تھا۔ ان کے کسی عزیز کو مخزن الغرائب کا ایک مخطوطہ ہاتھ لگا۔ مولانا موصوف کا مضمون جو مارچ ۱۹۲۴ء کے معارف میں چھپا، اسی نسخے کا مختصر تعارف ہے۔ تعارفی سطور کے بعد زیر نظر تذکرے سے انشاءاللہ خاں انشا کے حالات نقل کر کے "آب حیات" سے تقابل کیا گیا ہے۔ مولانا شروانی "آب حیات" کے ناقدین میں شامل تھے۔ چنانچہ یہ فقرے خاصے بلیغ ہیں: "آب حیات سے مقابلہ کیا۔ بعض واقعات کے لحاظ سے ظلمات اور نور کا فرق معلوم ہوا۔ ہدیۂ اہل نظر ہیں"۔

"معارف کے شمارۂ جون ۱۹۲۴ء میں اس موضوع پر پروفیسر محفوظالحق (پریزیڈنسی کالج ۔ کلکتہ) کا مضمون دیکھنے میں آتا ہے۔ پروفیسر موصوف نے زیرِ بحث تذکرے اور اس کے مؤلف پر ذرا تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ علاوہ ازیں احمد علی ہاشمی کے مرتب کردہ فارسی شعرأ کے انتخاب کلام پر مشتمل "انیس العاشقین" کا بھی ذکر کیا ہے۔ یہ مجموعہ محفوظالحق صاحب کی نظر سے نہیں گزرا تھا۔

اس مباحثے کی تیسری کڑی مضمون "تذکرۂ مخزن الغرائب و انیس العاشقین مؤلفہ احمد علی سندیلوی" ہے جو "ہمایوں" کے شمارۂ ستمبر ۱۹۲۴ء میں شائع ہوا۔ یہ مضمون زیادہ مفصل ہے اور اس پر مؤلف کا نام "جناب مولوی عبداللہ صاحب" درج ہے۔ یوں تو اس مضمون میں مولانا شروانی اور پروفیسر محفوظ الحق کے مابین بعض اختلافات میں اول الذکر کی آرأ کو قرین صحت بتایا گیا ہے اور خود مؤلف تذکرہ کے بیانات سے دلائل پیش کیے گئے ہیں لیکن مضمون کا اہم حصہ وہ ہے جو "مخزن الغرائب" اور "انیس العاشقین" نیز "بیاضِ بندہ علی خاں" کے مخطوطات مملوکہ حافظ محمود شیرانی کے تعارف پر مشتمل ہے۔ "انیس العاشقین" کے ماٰخذ کے ذیل میں "ایک نامعلوم تذکرے" کا بھی ذکر آتا ہے جس کی بابت کہا گیا ہے کہ:

"پروفیسر شیرانی کا بیان ہے کہ مذکورہ بالا ایک نامعلوم تذکرہ ہے جو محمد اصلم خلف حاجی محمد اسلم سالم کی تالیف ہے۔ حاجی محمد اسلم دراصل ایک کشمیری برہمن تھے۔ شیخ محسن فانی نے انہیں اپنا پسرِ خواندہ بنایا تھا اور انہیں کے اثرات میں عہد اورنگ زیب خلد مکانی میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اکثر خدمات شاہی پر ممتاز رہے۔ پھر

شہزادہ محمد اعظم کی خدمت پر مامور ہوگئے اور ترقی کرتے کرتے خان سامان اور داروغۂ ابتیاع خانہ بنا دیے گئے"۔ "مرآت آفتاب نما" میں ہے کہ" "محمد اعظم نے انھیں منصب وکالت شرعی پر ممتاز کیا۔ عہد فرخ سیر میں وقائع نگارِ کشمیر ہوکر کشمیر چلے گئے اور وہیں وفات پائی۔ ان کے فرزند محمد اسلم مؤلف تذکرہ بالا کے حالات کم یاب ہیں۔"

مباحثے کی اگلی اور آخری شائع ہونے والی کڑی پروفیسر محفوظالحق کا "جواب الجواب" ہے۔ اس مضمون کی ایک خوش خط نقل جو ۱۳ × ۱۰ انچ کے سات صفحات پر مشتمل ہے، شیرانی صاحب کے کاغذات میں موجود ہے۔ اس کا عنوان ہے "تذکرۂ مخزن الغرائب و انیس العاشقین (جواب الجواب)"۔ یہ عنوان ابتدائی ورق پر درج ہے جو مضمون کے اوراق کے شروع میں اِلف ہے۔ عنوان بھی اسی خط میں ہے لیکن نیچے دائیں جانب شیرانی مرحوم کے اپنے قلم سے بخط انگریزی M.Mahfuzul Haq, Presidency College Calcutta اور بائیں جانب Home Address: 13/1 Cotton Lane, Calcutta کے الفاظ درج ہیں۔

مضمون کی نقل عبداللہ چغتائی مرحوم کے قلم سے ہونا چاہیے تھی لیکن ان کی بدخطی کے مولوی عبدلحق موحوم کی طرح شیرانی صاحب بھی شاکی تھے۔ میرے خیال میں یہ نقل شیرانی صاحب نے اپنے فرزند اختر شیرانی مرحوم سے تیار کروائی ہے۔

پروفیسر محفوظ الحق کے اس مضمون کے بارے میں معلوم نہ ہوسکا کہ یہ کہاں اور کب شائع ہوا۔ نقل پر کوئی اطلاع درج نہیں۔ نظر بہ حالات مضمون ھذا کو غالباً ۲۵ - ۱۹۲۴ء

کے "معارف" میں چھپنا چاہیے یا زیادہ سے زیادہ 'ھمایوں" میں۔ لاھور میں ان دونوں جرائد کی مکمل فائلیں موجود نہیں، اس لیے میں اس بارے میں کچھ عرض کرنے سے قاصر ھوں۔

شیرانی صاحب کے متنوع کاغذات کھنگالتے ھوئے یہ نقل بارھا میری نظر سے گذری تھی تاھم میں اس کی اھمیت سے ناواقف رھا۔ رواں صدی کے ساتویں عشرے میں ڈاکٹر عبداللہ چغتائی مرحوم سے ملاقات کی غرض سے میں کبھی کبھی ان کے مکان واقع گلبرگ (لاھور) پر حاضر ھوا کرتا تھا۔ وہ شیرانی صاحب کے بارے میں بڑی دلچسپ باتیں سنایا کرتے تھے۔ ۱۹۶۷ء کی ایک شام کو باتوں باتوں میں کہنے لگے:

"تمھیں معلوم ھے ۱۹۲۴ء کے ھمایوں کے کسی پرچے میں میرا ایک مضمون تذکرہ مخزن الغرائب پر شائع ھوا تھا۔ درحقیقت یہ مضمون میرا نہ تھا بلکہ یوں کہو کہ میرا تو یہ موضوع ھی کبھی نہیں رھا۔ یہ مضمون مجھے بابا (حافظ محمود شیرانی) نے لکھ کر دیا تھا کہ لو اسے اپنے نام سے چھپوا دو۔ میں بڑا خوش ھوا اور ھمایوں میں چھپنے کو دے دیا۔ اس کی اشاعت کے بعد پروفیسر محفوظ الحق نے اس کا جواب لکھا۔ میں یہ شمارہ کسی سے لے کر بابا کو دکھانے گیا (چغتائی صاحب کو رسالے کا نام یاد نہیں تھا)۔ بابا نے پروفیسر محفوظ الحق کے تازہ مضمون پر سرسری نظر ڈالی اور اس کا جواب لکھنے کا وعدہ کیا۔ اتفاق سے کچھ عرصے بعد بابا کسی کام سے کلکتہ گئے۔ وھاں پروفیسر

محفوظ الحق سے ان کی ملاقات ہوگئی۔ پروفیسر موصوف نہ صرف یہ کہ بڑی محبت اور عقیدت سے ملے بلکہ بابا کی ضیافت بھی کی۔ کلکتہ سے واپسی پر ایک دن موقع پاکر میں نے بابا کو یاد دھانی کرائی:

بابا۔! وہ مضمون؟ بابا نے مجھے پیار سے جھڑک دیا چل ہے لپنگے! اب کوئی مضمون نہیں چھپے گا۔ پٹھان، پروفیسر محفوظ الحق کے گھر روٹی کھا آیا ہے۔"

میں اس قصّے سے بڑا لطف اندوز ہوا کیونکہ شیرانی صاحب کے مزاج میں مروّت کی صفت سے میں بخوبی واقف تھا، اور یوں بھی یہ ایک ادبی چھیڑ چھاڑ تھی، کوئی ٹھوس علمی کام تو تھا نہیں۔

برسبیلِ تذکرہ یہ بھی عرض کردوں کہ حسام الدین راشدی مرحوم، جو مجھ پر بڑی شفقت فرمایا کرتے تھے، اُن دنوں مرکزی اردو بورڈ (حال اردو سائنس بورڈ) کے رکن تھے۔ کبھی بورڈ کی میٹنگ میں شرکت کے لیے وہ کراچی سے لاہور آتے تو مجھے بھی خط کے ذریعے اطلاع دے دیتے کہ فلاں تاریخ کو لاہور پہنچ رہا ہوں، ہوٹل میں یا اردو بورڈ کے دفتر میں ملو۔ وہ اکثر اپر مال پر انٹرنیشنل ہوٹل میں قیام کرتے تھے، لیکن میں اردو بورڈ کے دفتر واقع گلبرگ (اب اردو سائنس بورڈ کا دفتر مال روڈ پر اپنی عمارت میں ہے) میں حاضر ہونے کو ترجیح دیتا تھا کیونکہ وہاں سے ڈاکٹر عبداللہ چغتائی کا مکان نزدیک تھا۔ راشدی صاحب کے بورڈ کے اجلاس سے فارغ ہوتے ہی ان کے ہمراہ چغتائی صاحب کے ہاں پہنچ جاتا۔ ان دنوں دونوں بزرگوں کی بے تکلفانہ چھیڑ چھاڑ بڑا لطف دیتی تھی۔ ایسی ہی ایک محفل میں راشدی صاحب نے چغتائی صاحب کو مخاطب کر کے کہا: "تمھیں یاد ہے

تم نے مخزن الغرائب پر اپنے مضمون میں اصلح مرزا کے فارسی شعراء کے ایک تذکرے کا ذکر کیا تھا۔ میں نے وہ نہ صرف ڈھونڈ نکالا ہے بلکہ اسے مرتب بھی کر لیا ہے اور اب اقبال اکیڈمی اسے شائع کر رہی ہے"۔

اگلی بار جب میں چغتائی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تو انھوں نے "تذکرۂ شعرای کشمیر" تالیف اصلح میرزا کا ایک نسخہ دکھایا جو راشدی صاحب نے انھیں بھیجا تھا۔ بعد میں راشدی صاحب نے اس کی ایک جلد مجھے بھی عنایت کی۔ تذکرہ ھذا کے تعارفی مضمون "گذارش" کا آغاز حسام الدین راشدی مرحوم ان الفاظ سے کرتے ہیں:

> "یہ ۱۹۲۴ء کی بات ہے جب کہ ماہنامہ ہمایوں لاہور میں مخزن الغرائب اور انیس العاشقین پر تبصرہ کرتے ہوئے میرے محترم اور عزیز دوست ڈاکٹر عبداللہ چغتائی نے حافظ محمود شیرانی مرحوم کی روایت سے لکھا تھا کہ: 'ایک نامعلوم تذکرہ جو محمد اصلح خلف حاجی محمد اسلم سالم نے تالیف کیا تھا' ناپید ہے۔ انیس العاشقین میں اس تذکرے کے شعرأ کا منتخب کلام تھا۔ مضمون میں یہ بات اسی بنا پر زیر بحث آگئی تھی۔ اس مقالے پر آج ۴۲ سال بیت چکے۔ میری معلومات میں، چند سال کم اس نصف صدی کے طویل عرصے کے اندر پھر نہ اس تذکرے سے متعلق کسی نے لکھا اور نہ کسی نسخے کی موجودگی کا پتا چلا۔ بس ایک بات تھی جو ہوئی اور رفت و گذشت ہو چکی"۔

آمدم بر سر مطلب ۔ ڈاکٹر چغتائی کا خیال تھا کہ شیرانی صاحب نے پروفیسر محفوظالحق کے آخری مضمون کا جواب نہیں لکھا تھا اور بادی‌النظر میں ان سے اتفاق نہ کرنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی تھی۔ بہرحال چغتائی صاحب کے اس انکشاف کے بعد میں نے ہمایوں میں چھپنے والے مضمون، پروفیسر محفوظالحق کے جواب‌الجواب کی نقل نیز معارف میں شائع شدہ شروانی صاحب اور پروفیسر محفوظالحق کے مضامین کا دلچسپی سے مطالعہ کیا ۔ ان باتوں کو دس برس کا عرصہ گزر گیا ۔ ۱۹۷۷ء میں جب میں نے حافظ محمود شیرانی پر ڈاکٹریٹ کے مقالے کی تیاری شروع کی اور تازہ مواد کے حصول کی غرض سے مرحوم کے کاغذات کا بغور جائزہ لینا شروع کیا تو اس وقت مجھے بڑا تعجب بھی ہوا اور خوشی بھی جب شیرانی صاحب کے جانے پہچانے شکستہ خط میں "حدّ جواب" کے عنوان سے، اس سلسلۂ بحث کی آخری کڑی ان کے کاغذات میں دست یاب ہوئی۔ گویا انہوں نے کلکتہ جانے اور پروفیسر محفوظ الحق سے ملاقات کرنے سے قبل ہی اس مضمون کا نقشِ اول تیار کرلیا تھا ۔ اس مضمون کے مطالعے سے چغتائی صاحب کے انکشاف پر بھی مہر تصدیق ثبت ہوگئی کیونکہ یہ بھی شیرانی صاحب نے "مولوی عبداللہ" ہی کی جانب سے تحریر کیا ہے ۔

مضمون "حدّ جواب" خط شکستہ میں لکھے ہوئے چھے اوراق پر مشتمل ہے ۔ کاغذ باریک، ولایتی، ورق کا سائز $9\frac{3}{4} \times 12\frac{1}{2}$ انچ۔ کاغذ کا رنگ میلا ہوچکا ہے اور روشنائی بھی پھیکی پڑ چکی ہے۔ بالاستیعاب مطالعہ کرنے سے یہ دلچسپ بات معلوم ہوئی کہ یہ ایک نہیں

دو مضامین ہیں - پہلا جسے ہم نقش اوّل کہہ سکتے ہیں ساڑھے تین صفحات پر مبنی اور نامکمل ہے- دوسرا جو قریب قریب مکمل ہے، ساڑھے پانچ صفحات پر پھیلا ہوا ہے - دونوں کے موازنے سے پتا چلتا ہے کہ عبارت میں کوئی نمایاں فرق نہیں ہے - اکثر فقرے اور پارے تک مشترک ہیں- لیکن دوسرے کو پہلے کی نقل بھی نہیں کہہ سکتے، کیونکہ خفیف ردوبدل ضرور موجود ہے- ایک آدھ جگہ پر یہ تبدیلی خاصی نمایاں ہوگئی ہے، مثلاً نامکمل مضمون کے ابتدائی صفحے پر یہ فقرے :

"... کیونکہ مذاق اس موقعے پر یہی تھا کہ عین اس موقعے پر جہاں مولوی صاحب شروانی صاحب کی غلطی کے ثبوت میں اپنے اعداد پیش کر رہے تھے، معارف کے کاتب کے قلم نے لغزش مستانہ کی اور انچاس کے بجائے انتالیس پر ہاتھ مارا - ہمیں ورق کہ سیہ گشتہ مدعا اینجاست - یہ جنوں خیز فضا میرے لیے بھی 'سرود بمستاں یاد دھانیدن' کے عامل ہوئی اور میں تبسم زیر لبی کے ساتھ وہ گرم فقرہ کس گیا- میں مولوی صاحب کو یقین دلانا چاہتا ہوں ..."

ادھر نقش ثانی میں ان سطور کی جگہ یہ عبارت ملتی ہے :

" . . . کیونکہ مذاق اس میں یہی تھا کہ عین اس موقعے پر جہاں کہ انچاس ہونا چاہیے وہاں بدقسمتی سے کاتب انتالیس لکھتا ہے- ع : ہمیں ورق کہ سیہ گشتہ مدعا اینجاست - مولوی صاحب کو میں ہر طرح سے اطمینان دلانا چاہتا ہوں . . . "-

دونوں عبارتوں کے تقابل سے اندازہ ہوتا ہے کہ دوسرے مضمون میں اختصار کی طرف رجحان پایا جاتا ہے اور یہ حشو و زوائد سے ایک

حد تک سبک بار کردیا گیا ہے۔ یہ امکان بھی ہو سکتا ہے کہ نقش اوّل جو نامکمل بھی ہے ایک نشست میں قلم برداشتہ لکھا گیا ہو۔ بعد میں وہ کاغذات میں ادھر ادھر ہوگیا ہو اور دستیاب نہ ہونے کے باعث شیرانی صاحب نے نقش ثانی نئے سرے سے لکھا ہو۔ اس لحاظ سے یہ دوسرا مضمون بھی نقش اوّل ہی کی حیثیت رکھتا ہے۔ ایسے قرائن موجود ہیں جن سے مترشح ہوتا ہے کہ مؤلف کا ارادہ اس پر نظر ثانی کا تھا۔ مثلاً ابوالمعالی عالی کے مختصر حالات کے لیے جگہ چھوڑ دینا یا مضمون کے اختتام پر ذرا ایک طرف نظیری کا شعر:

تامنفعل زرنخش بیجا نہ بینمش می آرم اعتراف گناہ نبودہ را

بطور یادداشت کے لکھنا جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مؤلف یہ شعر اپنے مضمون میں کوئی موقع نکال کر درج کرنا چاہتا تھا۔ سب سے بڑی بات یہ کہ مضمون کے جملوں میں بے ربطی پائی جاتی ہے۔ بھرتی کے الفاظ نظر آتے ہیں اور شیرانی صاحب کے اسلوب نگارش کی روانی مفقود ہے۔ با این ہمہ میں نے پہلے نامکمل مضمون کو چھوڑ کر اشاعت کی غرض سے اسی دوسرے مضمون کو ترجیح دی ہے۔

اب رہ گیا یہ سوال کہ شیرانی صاحب نے یہ بحث عبداللہ چغتائی صاحب کے نام سے کیوں شروع کی۔ یہ امر تو طے شدہ ہے کہ موصوف علمی و ادبی بحثوں کے بڑے شوقین تھے۔ بعض عروضی مباحثوں میں انھوں نے بڑی پامردی اور کامیابی کے ساتھ حصہ لیا۔ مخزن الغرائب والی بحث انھوں نے محض ادبی تفنن کے طور پر چھیڑی تھی۔ ادھر بحث اگرچہ پروفیسر محفوظ الحق کے مضمون پر تنقید سے شروع ہو رہی تھی لیکن یہ مضمون چھپا تھا "معارف" میں۔ اکتوبر ۱۹۲۲ع سے

"اردو" (اورنگ آباد) میں تنقید شعرالعجم کا سلسلہ شروع ہوا تھا وہ ابھی جاری تھا اور اسی کے رد عمل میں معارف کے تند و تیز بیانات کی گونج بھی فضا میں موجود تھی۔ اس صورتحال میں شیرانی صاحب نے یہی مناسب سمجھا کہ خود سامنے آنے کے بجائے اپنے خوشہ چینوں میں سے بھروسے کے آدمی کو آگے کردیا جائے۔

ایسی بعض اور مثالیں بھی میرے علم میں ہیں۔ مثلاً "انتخاب" (لاہور) کے جنوری ۱۹۲۶ء کے شمارے میں پروفیسر سراج الدین آذر کے نام سے شائع ہونے والا مضمون "ایک عروضی بحث" خود شیرانی صاحب کا لکھا ہوا تھا۔ اس طرح "اورینٹل کالج میگزین" میں نصیر حسین خیال کی تالیف "مغل اور اردو" پر تبصرہ جو د ش/ا کے نام سے چھپا وہ بھی شیرانی صاحب کے قلم سے نکلا تھا۔

"مخزن الغرائب" کا قدیم ترین مخطوطہ شیرانی صاحب کی ملکیت تھا جو ان کے مجموعۂ کتب کے ساتھ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں پہنچا۔ پروفیسر حمید احمد خاں مرحوم کی وائس چانسلری کے دور میں جامعہ پنجاب نے "مخزن الغرائب" کو متعدد جلدوں میں شائع کرنے کا پروگرام بنایا تھا۔ چنانچہ اس کی پہلی جلد ڈاکٹر محمد باقر کے اہتمام سے ۱۹۶۸ء میں شائع ہوئی۔ اس میں ابوسعید ابولخیر سے لالہ ذوقی رام حسرت (حرف الف تا حا) کل ۵۷۵ شعرائے فارسی کے ترجمے شامل ہیں۔ افسوس کہ یہ سلسلہ جاری نہ رہ سکا۔

مظہر محمود شیرانی

تذکرۂ مخزن الغرائب

از جناب نواب صدر یار جنگ، مولانا حبیب الرحمان خاں شروانی صدرالصدور دولت آصفیہ ("معارف" بابت ماہ مارچ ۱۹۲۴ء)۔

ملا احمد علی ہاشمی، سندیلہ کے باشندے، گزشتہ ہجری صدی کی ابتدا کے فارسی اہل قلم میں سے ہیں۔ میر قتیل کے شاگرد تھے، خادم تخلص تھا۔ انھوں نے فارسی کے شعراء کا ایک ضخیم اور حجیم تذکرہ لکھا ہے۔ تین ہزار سے زائد شعراً کا کلام اور حال ہے۔ سنہ ۱۲۱۸ ہجری میں ختم ہوا۔ "ختم صحف" تاریخ اختتام ہے۔ حال میں ایک عزیز کے ہاتھ آیا ہے۔ خریداری لطیفہ ہے۔ گفت و شنود کے بعد فی شاعر ایک پیسا قیمت ٹھہری۔ اس شرح سے کتاب تو ایک سو پینتیس کی ہوگئی مگر شاعر بے چارے پیسا اخبار کے اسٹاف میں بھرتی ہو گئے۔ آمدم بر سر مطلب:

تذکرے میں ذکر اور انتخاب تو معمولی ہے، معاصرین کے حالات البتہ وقیع ہیں۔ اس عہد کے علم و فن کا ذکر ہو اور دہلی مرحوم کی یاد تازہ نہ ہو، ممکن نہیں۔ ملا احمد علی نواب ذوالفقارالدولہ نجف خاں کی سرکار میں ملازم تھے۔ وہاں اہل کمال کا مجمع تھا۔ ان کو بھی استفادے کا موقع ملا۔ اسی فیض صحبت کا نتیجہ یہ تذکرہ ہے۔ سرسری مطالعے میں انشاءاللہ خاں انشا کا حال نظر سے گذرا، حالات گراں قدر محسوس ہوئے۔ آب حیات سے مقابلہ کیا۔ بعض واقعات کے لحاظ سے ظلمات اور نور کا فرق معلوم ہوا۔ ہدیۂ اہل نظر ہیں:۔

انشا ۔ مخیرالدولہ حکیم ماشاءاللہ جعفری کے بیٹے تھے۔ نجفی الاصل ۔ ان کے والد نوراللہ نجفی ہندوستان میں پیدا ہوئے ۔ درویش منش تھے ۔ ماشاءاللہ خاں نے دنیا کا جاہ و جلال پیدا کیا ۔ طب میں کمال حاصل کرکے بنگالہ میں معرکے کے علاج کیے ۔ لڑائی کے معرکوں میں بھی نام پایا ۔ تمام جسم جراحت گاہ تھا ۔ مرشد آباد کی سرکار میں معزز تھے ۔ اس دربار کو تنزل ہوا تو قاسم علی خاں کے عہد میں نواب شجاع الدولہ کے دربار میں آئے ۔ انیس ہاتھی ساتھ تھے ، اگرچہ بے سرو سامان تھے ۔ یہ ہماری بے سروسامانی تھی۔ آج سر ہے اور سرو سامان کا سودا ۔ سود اوروں کا ہے زیاں ہمارا ۔ آہ لسان العصر ! تیری قبر رحمت سے مالا مال ہو کیا کہہ گیا ہے :

محفل ان کی، ساقی ان کا آنکھیں میری ، باقی ان کا

خیر ، قدردانی نہ ہوئی ، ناقدری نے گوشہ نشیں کردیا۔ پٹھانوں کے حال پر کرم فرمایا، فرخ آباد میں سکونت اختیار کی ۔ مظفر جنگ خدمت کرتے رہے ۔ وہیں رحلت کی اور دفن ہوئے ۔ نہایت فیاض اور سیر چشم تھے ، اسی کے ساتھ بہت سادہ روش ۔ زمین پر سوتے تھے، شب بیدار تھے ۔ تذکرے کی تالیف سے چند سال پیشتر انتقال کیا۔ سیاق کلام سے واضح ہوتا ہے کہ چند روز دہلی میں بھی محمد بیگ خاں ہمدانی کی سرکار میں رہے تھے۔ دربار شاہی سے تعلق ثابت نہیں ہوتا ۔

انشاءاللہ خاں نے لڑکپن میں صرف و نحو، منطق اور حکمت کی کتابیں صدرا تک پڑھیں۔ سولہ برس کے سن میں نواب شجاع الدولہ کے دربار میں پہنچ کر ندیموں میں شامل ہوئے۔ اسی سن میں بے مدد استاد ہندی کا دیوان ردیف وار مرتب کر چکے تھے ۔ عربی فارسی

اشعار بھی بقدر چند اوراق کے لکھ لیے تھے۔ صورت جمیل تھی، تقریر دلپذیر۔ سارے دربار میں کوئی حسن کلام میں ان کا حریف نہ تھا۔ شجاع الدولہ کی عنایتوں نے محسود دربار بنا دیا تھا۔ چند روز کے بعد نواب نے وفات پائی۔ نواب آصف الدولہ کے دربار میں اراذل کا دور دورہ ہوا تو یہ کنارہ کش ہوگئے۔ چندے نواب نجف خاں کی سرکار میں رہے، کچھ دن بندیل کھنڈ میں۔ باپ کے ساتھ کچھ زمانہ ولی محمد خاں ہمدانی کی سرکار میں بسر کیا اور عزت سے بسر کیا۔ لڑائی کے معرکوں میں توپ بندوق اور تیر و تبر سے بے جگری سے سینہ سپر ہوئے، زندگی تھی بچ بچ گئے۔ جے نگر میں کسی بات پر بگڑ کر محمد بیگ ہمدانی کے بھائی میرزا اسمٰعیل بیگ پر کٹار نکال لی اور جو زبان سے نکلا کہا، مرنے سے بال بال بچے۔ بالآخر لکھنؤ پھر آئے۔ عرصے تک مرزا سلیمان شکوہ بہادر کی سرکار میں توسل رہا۔ نازک مزاجی نے وہاں بھی نباہ نہ ہونے دیا۔ وہاں سے علیحدہ ہوکر الماس علی خاں کی رفاقت میں رہے۔ بعد چندے یمین الدولہ مرزا سعادت علی خاں بہادر مبازر جنگ نے اپنے مصاحبوں میں شامل کرلیا۔ تذکرے کی تحریر کے وقت اسی دربار میں تھے۔ دونوں وقت خاصے میں شریک ہوتے تھے۔ مؤلف تذکرہ کو انشا کی خدمت میں نیاز تھا اور آغاز ملاقات سے شفقت فرمائی کا سلسلہ قائم۔ عالم آشنا پرستی میں انشا بےنظیر تھے؛ شعر ہندی میں طرز جدید کے موجد۔ ان کی صحبت میں آدمی سارے غم بھول جاتا تھا۔ باوجود اس شجاعت اور جواں مردی کے، جس کا امتحان میدان رزم میں بارہا ہو چکا تھا، بزم میں اپنے آپ کو ایک بچے سے بھی زیادہ کم ہمت خیال کرتے تھے۔ کبھی مذاق سوجھتا ہے تو ناچیز سے

آدمی سے دل لگی شروع کردیتے ہیں۔ چپ رہا تو خیر ورنہ وہ گالیاں دیتا ہے یہ ہنستے ہیں۔ کم مرتبہ آدمیوں سے یہ برتاؤ تھا۔ اسی کے ساتھ ہفت ہزاری کی مجال نہ تھی کہ خلاف مزاج کوئی بات زبان سے نکالے۔ ایک بار سالار جنگ کے بیٹے میرزا قاسم علی خاں کو سر دربار جناب عالی کے روبرو ایک شعر پر رسوا کر ڈالا۔ چار زبانوں میں شعر کہتے تھے، ہندی، فارسی، عربی، ترکی۔ عربی عبارت بے نقط بتائے ہوئے مضامین پر چار چار ورق لکھتے چلے جاتے تھے۔ چند سورتوں کی تفسیر بھی بے نقط لکھی تھی۔ شعرائے معاصرین میں، کبھی کسی سے نگاہ نیچی نہیں کی۔ صرف میرزا قتیل کو مانا۔ ان سے الفاظ کی تحقیق کرتے تھے اور اپنے اشعار کے حسن و قبح دریافت۔ احباب میں ان کو ممتاز مانتے اور جانتے تھے۔ تذکرے سے چند سال پہلے مصحفی ریختہ گو کو رسوائے کوچہ و بازار کیا۔ گدھے پر سوار کرنا رہ گیا تھا اور کوئی ذلت باقی نہ رہی تھی۔ خلاصہ عجیب آدمی ہیں، خدا سلامت رکھے۔

فارسی کلام کا نمونہ، رباعی:

گیرم کہ مدام دیدہ ات پر آب است
وز سوز درون جان و دلت بے تاب است
انشاءاللہ کام دل مے یابی
خوش باش خدا مسبب الاسباب است

انشاءاللہ کا لطف ماشاءاللہ۔

تذکرہ آب حیات پر بیان بالا سے حسب ذیل اضافہ ہوسکتا ہے:۔

انشاء کے دادا کا ذکر، انشاء کا سولہ برس کی عمر میں صاحب دیوان اور عربی، فارسی، شعر پر قادر ہونا، تعلیم کا انداز، ان کا مرد میدان اور نبرد آزما ہونا، زندگی کی بعض اور جزئیات۔ امور ذیل میں اختلاف ہے:

ان کے کشمیری الاصل ہونے کا ذکر نہیں، دربار شاہی سے ان کا یا ان کے والد کا تعلق ہونا نہیں پایا جاتا، لکھنؤ شجاع الدولہ کے عہد میں گئے نہ کہ آصف الدولہ کے عہد میں بلکہ آصف الدولہ کے دربار سے ناقدری کے ہاتھوں کنارہ کشی کی۔

چونکہ مخزن الغرائب کے مؤلف، انشاء کے دوست قدیم اور ہمدم تھے اس لیے ان کی تحقیقات پر وثوق بےجا نہ ہوگا۔

معارف :-

تذکرۂ مخزن الغرائب کا ایک خاصہ نسخہ دارالمصنفین کے کتب خانے میں بھی موجود ہے۔ یہ نسخہ لمبی تختی کے ۱۰۱۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لکھنؤ کے کسی خاندان سے یہاں منتقل ہوکر آیا ہے۔ مولانا شبلی مرحوم کا خریدکردہ ہے۔ تذکرے کی تصنیف کی تاریخ ۱۲۱۸ھ ہے اور یہ نسخہ سنہ ۱۲۲۰ھ کا لکھا ہوا ہے۔ گویا یہ خود مصنف کی زندگی کا ہے۔ اس میں حروف تہجی کی ترتیب سے عجم و ہند کے ہر پائے کے شعراء کے سوانح اور انتخاباتِ اشعار ہیں۔ گویا یہ فارسی گو شعراء کے ناموں کی انسائیکلوپیڈیا ہے اور ہندوستان کی تالیف کردہ "مجمع الفصحا" ہے۔ تذکرے کی زبان عام دستور کے مطابق فارسی ہے۔ قدیم شعراء کے سوانح میں ہر قسم کی رطب و یابس باتیں مذکور ہیں۔

تذکرۂ مخزن الغرائب پر ایک نظر

از مولوی محمد محفوظ الحق ایم - اے، لکچرر عربی و فارسی پریسیڈنسی کالج کلکتہ ("معارف" بابت ماہ جون ۱۹۲۴ء)

معارف (بابت مارچ ۱۹۲۴ء) میں نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی کا دلچسپ مضمون تذکرہ مخزن الغرائب پر نظر سے گذرا اور ساتھ ہی اس کی خریداری کا لطیفہ بھی معلوم ہوا - بقول مولانا "خریداری لطیفہ ہے، گفت و شنود کے بعد فی شاعر ایک پیسا قیمت ٹھہری - اس شرح سے کتاب تو ایک سو پینتیس کی ہوگئی مگر شاعر بے چارے پیسا اخبار کے دفتر میں بھرتی ہوگئے..." لیکن شرح خریداری کے لطیفے سے غریب تر لطیفہ یہ ہے کہ مولانا کے "عزیز" جنھوں نے وہ تذکرہ خرید فرمایا ہے کوئی پچاسی روپے کے گھاٹے میں رہے - تذکرہ ہذا میں کل ۳۱۴۸ شعراء کا حال درج ہے اس لیے ایک پیسا فی شاعر کے حساب سے اس کی قیمت انتالیس روپے تین آنے ہونی چاہیے نہ کہ ۱۳۵ روپے - لیکن مولانا کے "عزیز" نے جو قیمت دی ہے اس حساب سے اس تذکرے میں (۱۳۵ × ۶۴) ۸۶۴۰ شعراء کا حال موجود ہونا چاہیے یعنی مخزن الغرائب کے موجودہ قلمی نسخوں سے اس تذکرے میں ۵۴۹۲ شعراء کا مزید تذکرہ ملنا چاہیے - لیکن مولانا خود فرماتے ہیں کہ اس میں "تین ہزار سے زائد شعراء کا کلام اور حال درج ہے" اس لیے سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک پیسا فی شاعر کے حساب سے اس کی قیمت ۵۰ روپے سے کسی طرح زیادہ نہیں ہوسکتی - شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ تذکرے کا نام چونکہ "مخزن الغرائب"

ہے اسی لیے اس کے "غرائب" میں ایک اور "غریب" کا اضافہ ہوا ہے !!

مولانا شروانی نے مؤلف تذکرہ کے حالات بیان کرنے میں نہایت اختصار سے کام لیا ہے لیکن ہمیں یقین ہے کہ مؤلف کی داستان زندگی اہل ذوق کو پر لطف معلوم ہوگی، اس لیے بعض ایسے حالات و واقعات جو عام طور پر معلوم نہیں ہدیۂ ناظرین ہیں :-

مؤلف کا نام احمد علی ہاشمی ہے۔ تذکرے میں وہ اپنے باپ اور دادا کا نام اس طرح لکھتا ہے "شیخ غلام محمد بن فضیلت مآب مولوی محمد حاجی طاب ثمرہم"۔ ولادت سنہ ۱۱۶۴ھ میں ہوئی، سندیلہ وطن تھا لیکن گردش روزگار نے وہاں چین سے بیٹھنے نہ دیا۔ عرصے تک خاک چھاننے کے بعد نواب عزت الدولہ مرزا حسن سہراب جنگ خلف الصدق مرزا محمد محسن (برادر اکبر نواب صفدر جنگ) کے یہاں ملازمت اختیار کرلی۔ کچھ عرصے، بعد اپنے آقا کی اجازت سے، شاہ عالم بادشاہ کے فوجی رسالہ میں جو ذوالفقار الدولہ مرزا نجف خاں کی ماتحتی میں تھا، داخل ہوگئے۔ مرزا نجف خاں نے سنہ ۱۱۹۶ ہجری میں قضا کی۔ اس وقت مؤلف تذکرہ کا سن بتیس سال تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ مرزا نجف خاں کے بعد اسے خراسان، عراق اور فارس کے لوگوں سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ ان کے فیض صحبت سے اس نے بہت سے شعراء کے حالات اور ان کے کلام کے اجزا فراہم کیے۔ مولانا شروانی فرماتے ہیں "نواب ذوالفقار الدولہ نجف خاں کے سرکاری ملازم تھے۔ وہاں اہل کمال کا مجمع تھا۔ ان کو بھی استفادے کا موقع ملا۔ اسی فیض صحبت کا نتیجہ یہ تذکرہ ہے"۔ لیکن میرا خیال ہے کہ مرزا نجف خاں کی سرکار کا یہ فیض خاص نہیں کیونکہ مرزا نجف خاں نے سنہ ۱۱۹۶ ہجری میں قضا

کی اور تذکرہ ان کی وفات کے ۲۲ سال بعد (سنہ ۱۲۱۸ ھجری میں) لکھا گیا ہے۔ علاوہ بریں مؤلف خود کہتا ہے کہ نجف خاں کی وفات کے بعد اس نے یہ حالات فراہم کیے اور اپنے استاد مرزا قتیل کی فرمائش پر ان کو تذکرے کی صورت میں ترتیب دیا اس لیے واقعتاً مؤلف کا ذوق اور مرزا محمد حسین قتیل کی تحریک اس تذکرے کی تالیف کا باعث ہے۔

تذکرۂ ھذا جیسا کہ معارف کے نوٹ میں ظاہر کیا گیا ہے، فارسی گو شعرا کا سب سے ضخیم تذکرہ ہے۔ ضخامت میں اس سے دوسرے درجے پر (الاسجمع الفصحا) تذکرۂ انیس العاشقین مؤلفہ منشی الملک فخرالدولہ دبیرالملک راجہ رتن سنگھ ہشیار جنگ المتخلص بہ زخمی ہے۔ یہ تذکرہ دو ضخیم جلدوں میں ہے جس میں دو ہزار سے زائد شعرا کا حال درج ہے۔ صرف جلد دوم (جو حرف "ط" سے ہے) کوئی ۱۱۷۶ شعرا کے حالات پر مشتمل ہے۔ تذکرہ ھذا کے بعد نشتر عشق مؤلفہ نواب قلی خاں عشقی عظیم آبادی کا نمبر ہے جس میں ۱۹۳۰ شعرا کے حالات درج ہیں۔ ان دو تذکروں کے علاوہ اور چند تذکرے اسی حجم اور ضخامت کے ہیں لیکن مخزن الغرائب کے مقابلے میں ان کی ضخامت بہت کم ہے۔

مشہور مستشرق ڈاکٹر ایتھے۔۱ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ مخزن الغرائب میں کل ۳۱۴۸ شعرا کا حال درج ہے اور بقول ڈاکٹر

۱۔ فہرست کتب فارسی (قلمی) موجودہ بوڈلین لائبریری آکسفورڈ ص ۳۱۶ تا ص ۳۹۶۔ ڈاکٹر موصوف نے ان ۳۱۴۸ شعرا کے حالات کی تلخیص، جن کا ذکر مخزن الغرائب میں موجود ہے، اپنی فہرست میں دی ہے۔ یہ ایک نہایت ہی کارآمد چیز ہے۔

اشپرنگر - ۱ یہ تذکرہ ۳۰۶۱ شعرأ کے حالات پر مشتمل ہے لیکن اس باب میں ڈاکٹر ایتھے کا قول زیادہ صحیح اور قابل قبول ہے -

مؤلف مخزن الغرائب نے اپنے تذکرے کی ترتیب میں بعض نادر تذکرے فراہم کیے تھے - چنانچہ حسب ذیل ماخذ کا حوالہ موجود ہے :

(۱) تذکرۂ عوفی (۲) تذکرۂ دولت شاہ سمرقندی (۳) مجالس العشاق مؤلفہ سلطان حسین بایقرا (۴) مجالس النفائس از میر علی شیر نوائی (۵) بہارستان جامی (۶) تذکرۂ صائب (۷) تحفہ سامی از سام مرزا (۸) منتخب التواریخ از بدایونی (۹) طبقات اکبری از نظام الدین (۱۰) مجمع النفائس از سراج الدین علی خاں آرزو (۱۱) تاریخ فیروز شاہی از ضیاء برنی (۱۲) کعبۂ عرفان یا عرفات العاشقین از تقی اوحدی (۱۳) نفائس المآثر از مرزا علاؤالدولہ (۱۴) تذکرۂ ملا طاہر نصرآبادی (۱۵) ہفت اقلیم از امین احمد رازی (۱۶) تذکرۃ النساء از فخری بن امیری (۱۷) مرأت الخیال از شیر خاں لودی (۱۸) گلزار فطرت (۱۹) بیاض دارا شکوہ (۲۰) بیاض محمد اکبر بن عالمگیر (۲۱) تذکرۃ المعاصرین از شیخ علی حزیں (۲۲) ریاض الشعرأ از علی قلی خان والہ داغستانی وغیرہ -

اس طویل فہرست میں جتنے تذکرے ہیں وہ اس وقت تک یا تو چھپ گئے ہیں یا ان کے قلمی نسخے مشہور کتب خانوں میں دستیاب ہو سکتے ہیں لیکن اس فہرست میں تین کتابیں ایسی ہیں جن کا اب تک پتا نہ مل سکا۔ ایک تو تذکرۂ صائب - ۲ یا بیاض

۱- فہرست کتب خانہ شاہان اودھ مرتبہ ڈاکٹر اشپرنگر، ص ۱۴۶-

۲- نظام الدین خاں مؤلف "حدیقۂ عشق افروز" نے بھی تذکرۂ صائب کو اپنی تالیف کا ماخذ قرار دیا ہے - "حدیقہ" شعرائے فارسی کا ایک مختصر لیکن دلچسپ تذکرہ ہے -

صائب ہے جس کا حوالہ مخزن الغرائب میں باربار آتا ہے، دوسرے بیاض دارا شکوہ اور تیسرے بیاض محمد اکبر بن عالمگیر بادشاہ ہے۔ اگر ان بیاضوں کا پتا مل سکے تو بہت خوب ہو۔

مخزن الغرائب کا جو نسخہ (مرقومہ سنہ ۱۲۲۰ ہجری) دارالمصنفین میں ہے وہ میرے خیال میں معلوم نسخوں میں سب سے قدیم ہے۔ لکھنؤ کے شاہی کتب خانے میں جو نسخہ تھا اور جس سے ڈاکٹر اشپرنگر نے اپنی فہرست کی ترتیب میں مدد لی تھی، اس میں سنہ کتابت درج نہیں، خبر نہیں وہ نسخہ کہاں ہے؟ ایک نسخہ مولوی خدا بخش خاں مرحوم کے کتب خانے میں ہے لیکن وہ چنداں قدیم نہیں۔ برٹش میوزیم (لندن) کا نسخہ بھی پرانا نہیں، البتہ بوڈلین لائبریری آکسفورڈ کا نسخہ دارالمصنفین سے دوسرے درجے پر ہے۔ اس کی کتابت کی تاریخ ۱۱، صفر سنہ ۱۲۲۴ ہجری ہے، گویا دارالمصنفین کے نسخے کے چار سال بعد لکھا گیا ہے۔

ناظرین کو یہ سن کر خوشی ہوگی کہ احمدعلی سندیلوی نے شعرائے فارسی کے کلام کا ایک دلچسپ مجموعہ بھی تیار کیا تھا اور اس کا نام 'انیس العاشقین' رکھا تھا۔ ڈاکٹر اشپرنگر نے اس مجموعے کا ایک ضخیم نسخہ، جو ۸۰۰ صفحات پر مشتمل تھا، لکھنؤ میں دیکھا تھا۔ ان کا بیان ہے کہ سنہ ۱۸۴۹ عیسوی میں یہ نسخہ لکھنؤ کے ایک کتب فروش کے یہاں بغرض فروخت موجود تھا۔ معلوم نہیں یہ صحیفۂ علمی اب کہاں ہے؟ بہرحال یہ امر موجب مسرت ہے کہ ڈاکٹر اشپرنگر نے اسی زمانے میں اس کتاب کا نوٹ لے لیا تھا، جس سے اس مجموعے کی نوعیت کا پتا ملتا ہے۔ اس کتاب میں سولہ ابواب تھے اور شعرائے فارسی کے کوئی بیس ہزار اشعار درج تھے۔ تفصیل ابواب حسب ذیل ہے:

۱- اشعار متعلق بہ حمد و منقبت وغیرہ۔

۲- اشعار متعلق بہ عشق، منقسم بر ۸۳ فصل۔

۳- انتخاب از تذکرۂ کلمات الشعرأ مؤلفہ افضل‌الدین سرخوش۔

۴- انتخاب از تذکرۂ شیخ علی حزیں۔

۵- انتخاب از بہارستان جامی، باب ہشتم۔

۶- انتخاب غزلیات کاشی، نظیری، محتشم وغیرہ۔

۷- انتخاب کلام شیوخ، علماً و فضلاً و شاہزادگان وغیرہ، منقسم برشصت فصل۔

۸- انتخاب کلام شعرائے قدیم، مثلاً رودکی وغیرہ۔

۹- انتخاب کلام شعرائے جدید، مثلاً آملی، شیرازی، بابا فغانی، آصفی وغیرہ۔

۱۰- کلام شعرائے دیگر بترتیب حروف تہجی۔

۱۱- انتخاب کلام شعرائے قدیم و جدید، مثلاً از مثنوی مولانا روم۔ قطعات، مثلاً اشرف ماژندرانی۔ رباعیات بابا فغانی و شرح غزلیات حضرت امیر خسرو دہلوی۔

۱۲- انتخاب مثنویات۔

۱۳- انتخاب قصائد۔

۱۴- انتخاب ترجیع بند۔

۱۵- انتخاب ساقی نامہ محمد صوفی۔

۱۶- انتخاب غزلیات حافظ و شوکت بخاری وغیرہ۔

مخزن الغرائب و انیس العاشقین

مؤلفہ احمد علی سندیلوی

از جناب مولوی عبداللہ صاحب

(’ہمایوں‘ بابت ماہ ستمبر ۱۹۲۴ء)۔

ماہ جون سنہ ۱۹۲۴ء کے ’معارف‘ میں مولوی محمد محفوظالحق صاحب ایم۔ اے، لکچرر عربی و فارسی پریسیڈنسی کالج کلکتہ کا ایک مختصر مضمون مولوی احمد علی سندیلوی کی تالیف، تذکرہ مخزن الغرائب، پر میری نظر سے گذرا ہے۔ میں نے افسوس کے ساتھ دیکھا ہے کہ مولوی محفوظالحق صاحب نے نواب صدر یار جنگ مولانا حبیبالرحمان خاں شروانی کے مضمون ’تذکرہ مخزن الغرائب‘ معارف بابت ماہ مارچ سنہ ۱۹۲۴ء کے بعض غیر اہم پہلوؤں کو غیر ضروری فروغ دیا ہے۔ حقیقت میں اگر دیکھا جائے تو ’مخزن الغرائب‘ کی قیمت یا اس قیمت کے حساب میں غلطی چنداں اہم سوال نہیں ہے۔ یہ امور بائع اور مشتری سے تعلق رکھتے ہیں اور عام دلچسپی کا کوئی سامان پیدا نہیں کرتے۔ مولانا شروانی نے بسبیل لطیفہ ایک بات کہی تھی کہ قیمت فی شاعر ایک پیسا ٹھہری۔ اس شرح سے ۱۳۵ روپے قیمت دی گئی۔ اس میں ممکن ہے کہ مولانا کو سہو ہوگیا ہو یا یہ کہ ردّوبدل کے بعد دو اور تین پیسے فی شاعر کے نرخ سے شرح ٹھہری ہو۔ بہرکیف وہ کچھ بھی ہو لیکن مولوی محفوظالحق صاحب کا محاسبانہ اعتراض میری نگاہ میں وقیع نہیں ہے۔ کیا اس قسم کی کوشش سے مولوی صاحب کا اصل مقصد اس امر کا اعلان ہے کہ خدانخواستہ مولانا شروانی صاحب حساب میں کمزور ہیں۔ لیکن لطیفے پر لطیفہ یہ ہے کہ خود مولوی صاحب نے اپنی

صحیح حساب دانی کا کوئی شاندار نمونہ پیش نہیں کیا ہے۔ تین ہزار ایک سو اڑتالیس پیسوں کے انتالیس روپے تین آنے بتائے ہیں۔ حالانکہ فی الواقع انچاس روپے تین آنے ہوتے ہیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ مولوی صاحب اس موقعے پر کاتب کا رسمی عذر پیش نہیں کریں گے۔

نواب صدر یار جنگ کے مضمون کا جو اہم پہلو ہے، میں افسوس سے دیکھتا ہوں کہ اس کے متعلق مولوی صاحب نے ایک لفظ بھی نہیں فرمایا۔ اس سے میرا مقصد سید انشاءاللہ خاں انشا کے حالات کے متعلق وہ متضاد بیانات ہیں جو احمد علی سندیلوی نے 'مخزن الغرائب' میں اور شمس العلما' مولانا محمد حسین آزاد مرحوم نے اپنی تالیف 'آب حیات' میں درج کیے ہیں۔ درحقیقت اگر دیکھا جائے تو مولانا شروانی نے اپنے اس تبصرے سے بہت بڑی علمی اور ادبی خدمت کی ہے۔ آبِ حیاتِ آزاد کے سحرِ بابل کے طلسم شکن واقعتاً نواب صدر یار جنگ ہیں۔ اس سے قبل تذکرۂ میر تقی میر پر دیباچہ لکھتے وقت بھی انھوں نے 'آبِ حیات' کے بعض غیر تاریخی بیانات کی معقول تردید کرکے صحیح اطلاع بہم پہنچائی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ آزاد مرحوم کی اس تصنیف میں بعض ایسے بیانات مشاہدہ کیے جاتے ہیں جن کی تسلیم سے تاریخی ذوق ہمیشہ ابا کرتا رہے گا۔ مثلاً 'آبِ حیات' کا وہ بیان جس میں چنموساقن ['آبِ حیات' صفحہ ۷۶] امیر خسرو علیہ الرحمۃ کو حقہ پلاتی دکھائی گئی ہے، کسی طرح قابلِ تسلیم نہیں۔ گویا مولانا آزاد مرحوم کے نزدیک تمباکو، جس کو پرتگالی، فرنگی گیارھویں صدی کی ابتدا میں ہندوستان میں لائے ہیں، اس عہد سے تین سو سال قبل یعنی آٹھویں صدی ہجری میں رواج پاچکی تھی۔

بہرحال اس انکشاف کے لیے ہم کو نواب صدر یار جنگ کا

سپاس گذار ہونا چاہیے اور جو اصحاب میری طرح ان کے پر مغز اور عالمانہ مضامین کا، جو وقتاً فوقتاً ملک کے ادبی رسائل میں شائع ہوتے رہتے ہیں، شوق سے مطالعہ کرتے رہتے ہیں، میرے ساتھ اس رائے کے اظہار میں ضرور شریک ہوں گے کہ مولانا شروانی کا رتبہ بلحاظ ادبی نقاد نہایت رفیع ہے۔ اب تک وہ ایک مصروف ادبی زندگی بسر کرتے رہے ہیں اور ہمارے ملک کے رسائل ان کی تحقیقاتِ عالیہ کے منت گذار ہیں، کیونکہ اردو صحافت کی جس قدر قلمی امداد مولانا ممدوح نے کی ہے، ہماری زبان کے صرف چند ادیب ہی اس پائے تک پہنچ سکتے ہیں۔

ہم مولوی محفوظ الحق صاحب کے شکرگذار ہیں کہ انہوں نے مؤلف تذکرۂ مخزن الغرائب کے حالات، جو فی الواقع مولانا شروانی کے مضمون سے رہ گئے تھے، ہم پہنچا کر ہمیں مستفید کیا۔ تاہم میں اس امر کا اظہار کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ جن امور میں انہوں نے مولانا صدر یار جنگ سے اختلاف کیا ہے وہاں مجھ کو شک ہے کہ صحیح رہبری کا حق ادا نہیں کیا۔ بلکہ اگر مولوی صاحب مجھ کو اجازت دیں گے تو یہ کہنے کے لیے تیار ہوں کہ بعض مواقع پر خفیف خفیف غلط فہمیاں بھی اضافہ کردی ہیں یا بعض باتیں، جن کا بیان ہونا ضروری تھا، ذکر نہیں کیں۔ مثلاً:

احمد علی سندیلوی اپنے والد کے حالات میں کسی انقلاب کی بنا پر صغرسن میں ہی سندیلہ کو خیرباد کہہ کر رہگرائے عالمِ مسافرت ہوتے ہیں۔ چنانچہ مؤلف کے الفاظ ہیں:

"از مشیت الٰہی در اوضاع والد بزرگوارم از گردش فلکی اختلال واقع گردیدہ بندہ از صغرسن ازخانہ برآمدہ بغربت افتادم۔"

مولوی صاحب اس واقعے کو قریب قریب حذف کرگئے ہیں۔

علیٰ ھذا عزت‌الدولہ سہراب جنگ کے ھاں مؤلف کی ملازمت کا واقعہ، جس کا ذکر مولوی صاحب نے کیا ھے، بےحد مورد شک ھے۔ میرے خیال میں مؤلف سہراب جنگ کا ملازم نہیں تھا بلکہ ان کے وسیلے سے نجف خاں تک رسائی حاصل کرکے بادشاھی رسالے میں معقول مشاھرے پر ملازم ھو جاتا ھے۔ اس موقعے پر صاحب تذکرہ کا بیان ھے کہ:

"رفتہ رفتہ کہ بیان آن طول دارد در خدمت مغفور شہید نواب عزت الدولہ میرزا حسن سہراب جنگ طاب ثراہ کہ خلف الصدق میرزا محمد محسن کہ برادر کلاں نواب صفدر جنگ بودند رسیدم و ایشان از راہ قدردانی کہ در طبع و نہاد بزرگ زادگان و بزرگ منشان ودیعت است بہ آئین شائستہ و بحرمت تمام مجوز ملازمت بندہ بجناب نواب ذوالفقارالدولہ میرزا نجف خاں بہادر غالب جنگ الحسنی گردیدہ بمرسوم تمیز داخل رسالہ بادشاہ جمجاہ شاہ عالم بہادر ادام‌اللہ ملکہ' فرمودند"۔

مولوی صاحب کی یہ رائے غالباً ان کے انگریزی پیش رووں کے اثرات میں قائم ھوئی ھے۔ نواب صفدر یار جنگ نے مؤلف کے ذکر میں فرمایا تھا:

"نواب ذوالفقارالدولہ نجف خاں کے سرکاری ملازم تھے۔ وھاں اھل کمال کا مجمع تھا۔ ان کو بھی استفادے کا موقع ملا۔ اسی فیض صحبت کا نتیجہ یہ تذکرہ ھے۔

مولوی صاحب اس بیان کی تردید میں تحریر فرماتے ھیں:

"لیکن میرا خیال ھے کہ میرزا نجف خاں کی سرکار کا یہ فیض خاص نہیں، کیونکہ میرزا نجف خاں نے ۱۱۹۶ھ میں قضا کی اور یہ تذکرہ ان کی وفات کے ۲۲ سال بعد ۱۲۱۸ھ میں لکھا گیا ھے۔

علاوہ بریں مؤلف خود کہتا ہے کہ نجف خاں کی وفات کے بعد اس نے یہ حالات فراہم کیے اور اپنے استاد مرزا قتیل کی فرمائش پر ان کو تذکرے کی صورت میں ترتیب دیا اس لیے واقعتاً مؤلف کا ذوق اور میرزا محمد حسین (کذا) قتیل کی تحریر (کذا) اس تذکرے کی تالیف کا باعث ہے"۔

مؤلف کا قول ہے :

(۱) "کہ از سن سیزدہ چہاردہ سالگی الی یومنا ھذا کہ ہمگی پنجاہ و چہار مرحلہ از عمرطی گشتہ اکثری از قسم شعر و غزل بنظر در آوردم و اوقات شبانروزی خود را مصروف این فن داشتم و از مطالعۂ دواوین گاہی خود را معاف نمی داشتم۔ چوں بزبان فارسی و سیاق و سباقِ کلام و محاورہ و روزمرۂ این زبان چندان بلدیت نداشتم و فرصت دست نمی داد کہ از زبان دانان کسبِ این معنی کنم از اکثر اصطلاح و استعارہ و محاورہ عاجز و عاطل می ماندم و تلذذ بعدم بضاعت نوعی کہ باید و شاید بکام جان نمی رسید"۔

اس سے یہ مطلب اخذ ہوتا ہے کہ مؤلف تیرہ چودہ سال کی عمر سے دشتِ شعر و سخن کی سیاحی میں مصروف تھا، لیکن فارسی محاورات اور روز مرہ سے عدم واقفیت کی بنا پر شعر خوانی میں اس کو پورا پورا لطف حاصل نہیں ہوتا تھا۔ نہ ایسا موقع میسر تھا کہ زبان دانوں کی صحبت سے مستفید ہوکر یہ بات حاصل کرلے۔

(۲) جب وہ نواب عزت الدولہ سہراب جنگ کے توسط سے نجف علی خاں کی سرکار میں پہنچ کر دھلی آگیا تو یہاں اس کو یہ بات میسر آئی۔ یارانِ ہم جنس و ہم مذاق کی صحبت نصیب ہوئی۔ یہیں اس کو اہلِ خراسان و عراق و فارس کے ساتھ ہم بزمی کا موقع ملا اور ان کے ساتھ ہردم نشست و برخاست رہنے سے فارسی محاورے پر بھی عبور حاصل ہوگیا۔ چنانچہ نواب نجف خاں کی وفات کے تاسف آمیز ذکر کے موقعے پر مؤلف کہتا ہے :

"بعد از انتقال نواب موصوف غفران پناہ اختلال کلی در اوضاع اکابر واصاغر و اهالی و موالی حضرت دهلی راہ یافتہ۔ فتنہ را چار طرف بازار گرم گشتہ۔ یاران مجموع کہ از ارّہ جدانمی گشتند، مثلِ اوراق درختان پریشان گشتند و بنوعی از جابجائے شدند کہ باد صرصر خود را با گردشان نمی تواند ملحق سازد۔ لشکر کہ موج بہ آسمان می زد با خاک برابر و ناچیز گشتہ۔ اکثر بزرگان و دوستان کہ از دیدن آنہا حیاتِ تازہ داشتم درین انقلاب شربتِ شہادت و شورابِ ممات نوش شان شد واز همدماں فراموش گشتند۔ اکنوں در یاد آن عزیزان و دوستان اشکِ رمّانی نثارِ روحِ آنہا می سازم۔ خدای عزوجل جملہ را بیا عرزاد۔ خلاصہ، شب و روز در یک جا با مردم خراسان و عراق و فارس صحبت گرم می داشتم تا از برکتِ صحبت و فیضِ مجالستِ ایشان بے بہرہ نماندم۔ کم و بیش پے بمحاورۂ فارسی بردم درمیانِ سیاہ و سفید فرق توانستمے کرد:

جمالِ همنشیں درمن اثر کرد   وگرنہ من همان خاکم کہ هستم

(۳) اس اثنا میں جو معلومات اس کو اپنے خراسانی، عراقی اور خطۂ فارس کے دوستوں سے بہم پہنچی مؤلف ان کو کاغذات کے پرچوں پر علیحدہ علیحدہ لکھتا رہا۔ اس کا ارادہ تھا کہ ان اشعار کو مجموعۂ بیاض کی شکل میں ترتیب دے دے لیکن اس کے دوست میرزا محمد حسن قتیل نے مشورہ دیا کہ اشعار هر اعتبار سے مدّون ہوچکے ہیں، بہتر ہوگا کہ اس کو بترتیب حروفِ تہجی، تذکرے کی شکل میں لکھ دو۔ چنانچہ مؤلف نے اسی مشورے پر عمل کیا۔ اس کا بیان ہے:

"اکثر اشعار از زبانِ عزیزانِ خراسان و عراق و فارس گوش زد فقیر شدہ بود و بر کاغذ پارہ ها علیحدہ علیحدہ جمع آمدہ بود۔ خواستم کہ این همہ اشعار را فراهم ساختہ جہت مشغولیٔ خاطر در قید بیاض آرم، کہ صحبت بے نفاق است و بارها اتفاق استادی افصح

الفصحا و اکمل البلغا میرزا محمد حسن المتخلص بہ قتیل، کہ واقعی کشتۂ راہِ دوست است . . . فرمود کہ اشعار از ہر قسم بسیار فراہم شدہ اگر بطریقِ تذکرہ طریقِ تہجی رعایت کردہ آید کہ خوانندۂ این ہر کدام شاعر را کہ بخواہد اشعارش بر آوردہ بخواند بصواب نزدیک تر است۔ بحسبِ فرمودۂ آن وحیدِ عصر این جواہر زواہر بطریقِ تہجی در رشتۂ تحریر کشیدہ آمد"۔

اب ظاہر ہے کہ اس مواد کو جو دہلی کے قیام کے زمانے میں مؤلف نے، جب کہ نجف علی خاں زندہ تھے، اپنے ایرانی دوستوں کی ہم بزمی میں جمع کیا تھا، بجائے بیاض کی شکل میں ترتیب دینے کے بترتیبِ حروفِ تہجی تذکرے کی شکل میں جمع کردیا۔ اس طرح دیکھا جاتا ہے کہ مؤلف کے بیانات مولانا شروانی کے مؤید ہیں۔

یہاں ایک اور امر اضافہ کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ مرزا قتیل کا نام محمد حسن ہے نہ کہ محمد حسین اور نہ ہی وہ مؤلف کے استاد معلوم ہوتے ہیں۔ مؤلف نے استاد کا لفظ بہ نظرِ احترام اضافہ کردیا ہے۔ اگر مولوی صاحب مرزا قتیل کے حالات پر، جو مؤلف نے اسی تذکرے میں بیان کیے ہیں، ایک نظر ڈال لیں گے تو یہ شبہ، جس میں ان کے ساتھ ان کے انگریزی پیش رو بھی شریک ہیں، رفع ہوجائے گا۔ قتیل کے حق میں مؤلف کے یہ الفاظ ہیں:

" نہایت یار باش و دوست پرست و ظریف است۔ سی سالست کہ فقیر با ایشاں فرطِ محبت و اخلاص دارد و بسا اتفاق افتادہ کہ در یک جا بودہ ایم، آنچہ یارانہ از شوخی و ظرافت بہ فقیر می کنند. اگر تحریر آن نماید ضحک و فضیحتی خودم است:

گرہم سنگ ورہم چوب است ہرچہ از دوست می رسد نیکوست

بلاشبہ در این زمانِ قحطالرجال ذاتِ او از غنایمِ روزگار است و دلِ مردۂ من بہ آبِ لطفِ یاریٔ او زندہ و تازہ است۔"

اس عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ ان کے تعلقات دوستانہ اور بے تکلفانہ تھے نہ استادانہ و شاگردانہ۔

ضخیم تذکروں کے ذکر میں مولوی صاحب نے تذکرۂ نشترِ عشق کا بھی ذکر کیا ہے اور مصنف کا نام انھوں نے نواب قلی خاں بتایا ہے۔ حالانکہ ان کا نام حسین قلی خاں ہے۔ میں نے یہ تذکرہ پروفیسر شیرانی کے ہاں بچشمِ خود دیکھا ہے۔

میرے اس امر کے سمجھنے سے بھی قاصر ہوں کہ مولوی خدا بخش خاں مرحوم کے کتب خانے کے نسخۂ مخزن الغرائب کو مولوی صاحب چنداں قدیم نہیں مانتے۔ جب کہ بوڈلین کتب خانے کے نسخے کو، جو سنہ ۱۲۲۴ھ کا نوشتہ ہے، دارالمصنفین کے نسخے نوشتہ سنہ ۱۲۲۰ھ سے دوسرے درجے پر مانتے ہیں۔ حالانکہ بانکی پور کے کتب خانے کا نسخہ بھی سنہ ۱۲۲۴ھ ہی کا مرقومہ ہے۔

مخزن الغرائب کے قدیم نسخوں کے سلسلے میں اس قدر اضافہ کرنا چاہتا ہوں کہ پروفیسر حافظ محمود خاں شیرانی، پروفیسر اسلامیہ کالج، لاہور کا نسخہ، جو اس وقت میرے پیش نظر ہے، دارالمصنفین کے نسخے سے بھی قدیم ہے اور ابھی تک اسی کو شرفِ اولیت حاصل ہے۔ اس نسخے کی تاریخِ کتابت ۴۶ سنہ جلوس شاہ عالم مطابق ۱۲۱۹ھ اور مقامِ کتابت لکھنؤ ہے۔ ایک اور لحاظ سے بھی اس نسخے کو امتیاز حاصل ہے یعنی یہ کہ وہ مؤلف کے اصل مسودے سے منقول معلوم ہوتا ہے۔ اس میں ایسے آثار اور قرائن موجود ہیں جن سے پایا جاتا ہے کہ یہ نسخہ خود مؤلف کے پاس رہا ہے۔ کیونکہ بعض مقامات پر اس میں حک و اصلاح بھی کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ بعض معاصرین کے حالات، جو اصل مسودے میں شامل نہیں تھے، بعد میں حاشیے پر اضافہ کیے گئے ہیں۔ اس سلسلے میں یہ اصحاب قابلِ ذکر ہیں:

سید انشا اللہ خاں انشا، حضرت شاہ علی اکبر، میاں فرخ حسین حرماں، سید میر علی حریق، غلام فخرالدین خاں حیرت، مولوی مصطفیٰ علی خاں گویاموی، خوش دل، جواہر لال دبیر، حاجی عابد صفاہانی، سید تقی میر (شاعر مشہور)، لچھمی نرائن محبت، مہرزا ابوالمعالی وغیرہ۔

معلوم ہوتا ہے کہ یہ اسماء مصنف کی پہلی اشاعت سنہ ۱۲۱۸ھ میں، اگر درحقیقت اس وقت تک کوئی اشاعت ہو چکی تھی، داخل ہونے سے رہ گئے تھے۔ وہ اس نسخے میں اضافہ کردیے گئے۔

تعجب ہے کہ اس نسخے میں خود خادم کے اشعار نہیں ملتے۔ حالانکہ فہرست اسماء میں حرف 'خا' کے خاتمے پر یہ الفاظ نظر آتے ہیں: "خادم سندیلہ مؤلفِ تذکرہ"۔ میں یہاں ان کے ایک شعر پر قناعت کرتا ہوں:

بدیر و کعبہ چہ جوئی خدا کجاست کہ نیست
بطوفِ پردۂ دل شو صفا کجاست کہ نیست

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ احمد علی سندیلوی اپنے مجموعۂ بیاض کے قدیم ارادے کو نہیں بھولے جو انھوں نے 'انیس العاشقین' کی صورت میں پورا کیا۔ اور شکر ہے کہ 'انیس العاشقین' آج بھی موجود ہے۔ پروفیسر شیرانی کی کتابوں میں جہاں اور نوادرِ علمی محفوظ ہیں 'انیس العاشقین' کا نسخہ بھی موجود ہے۔ یہ نسخہ مدد علی کاتب نے نواب ابوالقاسم خاں کے ارشاد سے لکھا تھا۔ تاریخِ کتابت مذکور نہیں۔ میں ذیل میں اس کی فہرست ہدیۂ ناظرین کرتا ہوں، کیونکہ ڈاکٹر اشپرنگر کی فہرست، جس کو مولوی صاحب نے اپنے مضمون میں نقل کیا ہے، مکمل معلوم نہیں ہوتی۔ ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ احمد علی سندیلوی نے اپنے لیے ایک خاص بیاض تیار کی تھی۔

اس بیاض کے ضمن میں بعد میں انھوں نے مختلف بیاضوں اور تذکروں کو موقع بموقع شامل کردیا اور اصل بیاض حمد و نعت سے شروع ہوکر کہیں آخر میں جاکر ختم ہوتی ہے۔

(۱) سلسلۂ اصل بیاض مشتمل بر حمد و نعت و منقبت۔

(۲) اشعار بر مضامینِ مختلفہ، مشتمل بر ہشتاد فصول۔ یہ کسی نامعلوم بیاض کا انتخاب ہے۔ ڈاکٹر اشپرنگر، بقول مولوی صاحب اس میں تراسی فصلیں بتاتے ہیں۔ لیکن موجودہ بیاض میں صرف ۸۰ فصلیں ہیں۔ جن کی فہرست حسب ذیل ہے:

۱- در مراقبہ و ذکر ۲- اشعار کہ مریدان بہ پیراں نویسند ۳- اشعار کہ پیراں بمریداں نویسند ۴- در تأسف و ندامت ۵- در ذکرِ شعر و سخن ۶- در ذکرِ عشق و عاشق ۷- نازِ معشوق ۸- ادا و جلوہ و خرام وغیرہ ۹- در شوق و استغنا و واقف نبودن معشوق از حالتِ عاشق ۱۰- رسوائی و بے باکیٔ عاشق و حجابِ معشوق ۱۱- در شبیہِ معشوق و بے مثلیٔ صورتش ۱۲- در صفت بعضی از زیور و دیگر اسبابِ آرایشِ معشوق ۱۳- در وارد شدن دوست ۱۴- در محویتِ عاشق از دیدنِ معشوق ۱۵- در ذکرِ بوسہ و خندہ و تبسّم و دشنام ۱۶- در رفتنِ معشوق ۱۷- در سر راہ گرفتنِ معشوق ۱۸- در برآمدن معشوق بالازے بام ۱۹- در ذکرِ غسل و وضو و حمام و روزہ و نمازِ معشوق ۲۰- در بیانِ گریستن و غمگین شدن و چینِ پیشانی معشوق ۲۱- در ذکرِ صبح و طلوعِ آفتاب و بیدار شدن معشوق ۲۲- در ذکرِ ماہتاب ۲۳- در پایان آمدن شب وصل و آمدِ سحر ۲۴- در بیانِ حالِ دل و دیدۂ عاشق ۲۵- در ذکرِ یوسف و زلیخا و لیلیٰ و مجنون و شیریں و خسرو و فرہاد و امثالِ آن ۲۶- در ذکرِ گل و بلبل و شمع و پروانہ و سرو و قمری ۲۷- در بیانِ عاشق شدنِ معشوق و داغ

سوختنش ۲۸- در ذکرِ دیوانہ و مجنوں و زنجیر ۲۹- در ذکرِ صید و صیاد ۳۰- در ذکرِ بہار و مے و ساقی و مطرب و ساز و رقص و ابر و باراں و بزم ۳۱- در ذکرِ قہوہ و قلیان و تریاک ۳۲- در ذکرِ کعبہ و بتخانہ و شیخ و برہمن و تسبیح و زنّار ۳۳- در ذکرِ کشتی و دیگر متعلقات آن و کوہ و بیابان ۳۴- در ذکرِ مکتب و طفل و ادیب- ۳۵- در تابستان و زمستان ۳۶- در صفتِ عیوبِ اجزائے حسن ۳۷- در عالم ہزل و لطیفہ ۳۸- در وصفِ معشوقانِ ہرفرقہ ۳۹- در بازیہا ۴۰- درستایشِ سلاطین و اسپ و خیل ۴۱- اشعار متفرقہ ۴۲- دراظہار دوستی غائبانہ و آغازِ آشنائی و محبت نہانی ۴۳- در اخفائے عشق و محبت از بیمِ رسوائی ۴۴- در وداع کردن معشوق ۴۵- از مقیم بمسافر ۴۶- در ذکرِ نامہ و پیام ۴۷- درشوق و آرزوے وصال ۴۸- در یاد و فراموش ۴۹- در قربِ معنوی و اتحاد و لطفِ نہانی ۵۰- درفراق ۵۱- در بی قراری و ترغیبِ صبر و تسلی ۵۲- در ذکر حسرت و محرومی و حیرت و سرگشتگی ۵۳- در غم و درد وگریہ و آہ و نالہ و فریاد ۵۴- در سراغ و جستجوئے گم گشتۂ خود- ۵۵- در خواب دیدن معشوق ۵۶- در شکوہ و شکایت و گلہ ۵۷- اشعار شوقیہ و شکایت آمیز ۵۸- در بیان بی وفائی معشوق ۵۹- درمحلِ عذر و اعترافِ تقصیر و اظہارِ بے گناہی- ۶۰- در ذکرِ صلح و جنگ و رنجش و آشتی ۶۱- در واسوخت و طعنہ و کنایت معشوق ۶۲- در رشک ۶۳- درعہد و پیمان ۶۴- اشعارِ انتظار ۶۵- در قدوم مسافر و مہمان ۶۶- درعیدِ نوروز و سیرِ باغ و صحرا ۶۷- عرضِ احوال و حسنِ طلب ۶۸- درشکرِ عطیات و تحسین و آفرین ۶۹- در دعوائے صدق و وفا آشنائی و رضا و تسلیم ۷۰- بتقریب ارسال تحف بہمدیگر ۷۱- اشعارے کہ بزرگان بفرزندان نویسند ۷۲-

در مواعظ و نصائح ۷۳- جوابِ ناصح ۷۴- در محلِ عبرت ۷۵- دربیانِ عزلت و قناعت و شکست نفس و استغنا ۷۶- متضمن بر مطالبِ مختلفہ ۷۷- درعیادت و تقریبِ فصد و بیماری و ذکرِ طبیب ۷۸- در تہنیت ۷۹- در تعزیت ۸۰ در دعا۔

(۳) انتخاب از تذکرۃ المعاصرین شیخ محمد علی حزیں (ڈاکٹر اشپرنگر کے ہاں اس کا چوتھا نمبر ہے)۔ سلسلہ اصل بیاض متضمن بر اشعارِ عمر خیام، ناصر علی، اسیر، ظہوری، صانع بلگرامی، محمد توفیق کشمیری، عبدالقادر بداؤنی۔

۴- انتخاب تذکرۂ سرخوش (ڈاکٹر اشپرنگر کے ہاں اس کا نمبر تیسرا ہے)۔

(۵) ایک نامعلوم تذکرے کا انتخاب جس میں بترتیب حروف تہجی مفصلہ ذیل شعراً کا کلام ہے:

(الف) معزز خاں افسر، ملاّ اسحاق، قزلباش خاں امید، میرزا استغنا، اطہر خاں اطہر، خواجہ انور، میر امداللہ بخاری، میرزا فقیراللہ آفرین، شیخ فخرالدین اطہر، میرزا شفیعائے اثر۔ (ب) بیژن خاں، بدیعائے سمرقندی۔ (ت) عبداللطیف خاں تنہا، شاہ رضائے تسلیم، میرزا فتح علی بیگ تسکین، میرزا محسن تاثیر، ملک سلطان تمکین، توفیق، خواجہ نوراللہ تحقیق (ج) ارجمند بیگ جنوں، میرزا محمد علی جسم، (ح) نواب حفیظاللہ خاں، میرزا فتح‌اللہ حیرت، شیخ عبدالمجید میرزا اسماعیل حجاب، حیدر ذوالفقار، محمد رستم حیرت شاگرد عبدالقادر بیدل۔ (خ) میر صدیق خاں، خان میرزا خلیل، نواب خان دوران خاں صمصام الدولہ بہادر، امتیاز خان خالص۔ (ر) میر کمال‌الدین رسوا، نواب روح‌اللہ خاں عالمگیری، عنایت اللہ رازی، میرزا رفیع رافع یزدی، راکو پنڈت راکو، راہید رافت، محمد علی رائج، ریاضی، سلطان علی

بیگ رهی، رضا - (ز) محمد میرک زکی، نواب زیب‌النسا بیگم - (س) ملا طاهر سخنور، خواجہ عبداللہ سامی، سال مرد پختہ کار، حاجی فریدون سابق، ساجد، میرزا سید محمد، ملا عبدالحکیم ساطع - (ش) میرزا شمس‌الدین، شوکت، حکیم حسین شفائی، شادمان، شاپور طہرانی - (ص) صامت صفاهانی، صامت کشمیری، شیخ محمد مسلم صنعتی، صفی قلی خان ماورالنہری، صاحب مسیح صفاهانی، میر صیدی صفاهانی، محمد صوفی ماژندرانی، صفی قلی، آغا رضا صبا، میرزا لطف‌اللہ بیگ صہبا، نواب ابوالبرکات خان صوفی، حضرت شاہ صادق - (ط) محمد طاهر طاقت، طبعی، میر طبعی کشمیری - (ظ) ابوالمظفر - (ع) عزیز خان، محمد همت عاشق، شیخ عطااللہ عطا، شاہ عاجز، محمد شفیع علیم، میر عین علی، شاہ ابراهیم عزت، نعمت خان عالی، عشرت، میر طاهر علوی، (غ) نواب نوازش خان، غافل، خواجہ غیاث، ملا محمد علی غیرت، میرزا فیض‌الحق غنا، غروری سبز واری، میرزا بیگ غافل، آغا عبداللہ غواص - (ف) بابا فولاد فخری، بابا فغانی، شیخ عبدالقادر فدائی، بابا فغانی، ملا فرح‌اللہ، فوقی، عبدالشکور فائق، میرزا ابوالفتح فاتح شیرازی، میرزا فصیح اوستاد نواب صمصام‌الدولہ خان دوران خان بہادر، میرزا فرهاد، ماهر فاخر، محمد بیگ فرصت، میر فائق لاهوری، محمود بیگ فارغ بدخشانی - (ق) قانع، میرزا قلندر، قیصرانی همدانی، میرزا عبدالغنی بیگ قبول، قلعدار خان - (ک) شاہ گلشن، میرزا کلامی، میرزا قاسم گرامی خلف عبدالغنی بیگ قبول، شاہ شمس‌الدین گدا، میرزا شریف گمنام، میرزا بیگ کامل - (ل) میرزا لطفی اصفهانی، ملا لکنت برادر ملا ناطق، حکیم لطف‌اللہ - (م) ملا مظہری، شیخ عبداللہ محرم، میر محمد معروف، میر محمود، مستغنی کشمیری، شیخ رحمت‌اللہ ممتاز، میرزا مہر،

ملتفت خاں، معین، محمد علی خان متین، امان‌اللہ مروّت، نواب فاضل خاں منصف عالمگیری، مظہر، حاجی مطیع والیٔ کاشغر، میرزا مقصود کاشی، مومنائے شہرازی، مرتضیٰ خان موالی، قاسم خان مخلص کشمیری، میر شاہ حسین مناسب، مدہوش قلندر اصفہانی، مشفقی، میرزا حسن بیگ معلوم تبریزی، ملا مشرقی، مخلصائے کاشی، محمد رضائے مشتاق۔ (ن) فرہاد بیگ نیاز، سخنور خان نگہت، میرزا اسداللہ نصیر، عبدالغفور نامی، نصیرائے اصفہانی، محمدزمان نافع کشمیری، مولانا نظمی، نصیر طوسی، دلاور خان نصرت، میر نجات، قاسم نقاش، علی نقی۔ (و) حضرت شیخ عبدالواحد وحدت سرہندی، واصب، حسن وارستہ، خواجہ نوراللہ والہ، ملا ننا خان وحشت، ارادت خان واضح، نواب حفیظ‌اللہ خان وارستہ، میرزا حسن بیگ واہب اصفہانی، محمد طیب والی۔ (ہ) محمد ہاشم ہندو، خواجہ ہاشم دیوانی میمنت خاں۔ (ی) محمد اشرف یکتا، میرزا یوسف بیگ شاملو، میرزا ایما عموی، میرزا ابو علی ہاتف۔

پروفیسر شیرانی کا بیان ہے کہ مذکورہ بالا ایک نامعلوم تذکرہ ہے جو محمد اصلح خلف حاجی محمد اسلم سالم کی تالیف ہے۔ حاجی محمد اسلم دراصل ایک کشمیری برہمن تھے۔ شیخ محسن فانی نے انہیں اپنا پسر خواندہ بنایا تھا اور انہیں کے اثرات میں عہد اورنگزیب خلد مکانی میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اکثر خدمات شاہی پر ممتاز رہے۔ پھر شہزادہ محمد اعظم کی خدمت پر مامور ہوگئے اور ترقی کرتے کرتے خان سامان اور داروغہ ابتیاع خانہ بنادیے گئے۔ 'مرات آفتاب نما' میں ہے کہ محمد اعظم نے انہیں منصب وکالت شرعی پر ممتاز کیا۔ عہد فرخ سیر میں وقائع نگار کشمیر مقرر ہوکر کشمیر چلے گئے اور وہیں وفات پائی۔ ان کے فرزند محمد اصلح مؤلف تذکرۂ بالا کے حالات کم یاب ہیں۔

(۶) از روضۂ ہفتم بہارستان جامی۔ در ذکر شعرائے متقدمین۔ مولوی محفوظالحق صاحب نے اپنی فہرست نمبر پانچ میں بہارستان کا ذکر کرتے وقت باب ہشتم لکھا ہے اس لیے واضح کرنا چاہتا ہوں کہ بہارستان کے روضۂ ہشتم میں جانوروں کی حکایات درج ہیں اور شعرا کا تذکرہ روضۂ ہفتم میں آتا ہے۔

(۷) از مجالس‌العشاق سلطان حسین میرزا در ذکر حضرت مولوی عبدالرحمان جامی۔ سلسلۂ بیاض قدیم۔ تاریخ وفات جامی و ہاتفی۔

(۸) انتخاب غزلیات محتشم، اوحدی، اہلی، طاہر بخارائی، جامی، شیخ محمداعجاز اکبرآبادی، طالب آملی، سلسلۂ بیاض قدیم۔ غزالی مشہدی، میر غیاث‌الدین بدخشانی، رائج، شاہ فقیراللہ آفرین، مصحفی ریختہ گو۔

(۹) انتخاب از طبقات اکبری۔ اس میں طبقات سے صرف چند شعرا پر قناعت کی گئی ہے۔ اور بہت جلد قدیمی بیاض کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے، جس میں شادماں کہکر، حکیم سرمد مجذوب (مع حالات) شیخ محمد قریش ملتانی، جامی، میرزا خلیل اور نواب مظفر خاں کا کلام نظر افروز ہوتا ہے۔

(۱۰) انتخاب از تذکرہ صائب ہمدانی۔ بعد میں قدیمی بیاض کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔

(۱۱) غزلیات بہائی، نظیری (سات غزلیں)، محتشم کاشی (انتیس غزلیں)، بابا فغانی، میلی۔ گویا یہ وہ حصہ ہے جو مولوی صاحب کے ہاں نمبر (۶) کے ذیل میں بیان کیا گیا ہے۔

(۱۲) اشعار از سفینۂ میرزا محمد حسن مغفور خلف الصدق میرزا محمد محسن برادر کلاں ابوالمنصور خاں نواب صفدر جنگ۔ یہ بیاض بھی ایک نادر اور کم یاب چیز ہے۔ بعد میں سلسلۂ بیاض قدیم جاری ہو جاتا ہے۔

(۱۳) ترکیب بند حکیم شفائی صفاهانی، وحشی یزدی، میرزا فصیحی، صیرفی سبزواری۔ سلسلۂ بیاض قدیم۔

(۱۴) انتخاب از مثنویات عطار و جامی۔ سلسلۂ بیاض قدیم۔

(۱۵) غزلیات جامی۔ خواجہ حسن دہلوی، شریف تبریزی، تقی کاشی۔ سلسلۂ بیاض قدیم۔

(۱۶) غزلیات خسرو، اہلی، آہی، ریاضی، جامی۔

(۱۷) قطعات اساتذہ۔ سلسلۂ بیاض قدیم۔

(۱۸) عبارت نثر، پند شیخ عبداللہ ملتانی، اسامی قافیہ، اسامی خطوط۔ سلسلۂ بیاض قدیم۔

(۱۹) قواعد علم قوافی از تصنیف مولانا جامی۔ سلسلۂ بیاض قدیم۔ مختصر وافی در قواعد علم قوافی تصنیف مولانا جامی۔

(۲۰) برخے در علم عروض۔ ذکر تشبیب و قصیدہ و قطعہ۔

(۲۱) انتخاب بعض صنائع اقسام نظم۔

(۲۲) تاریخ گوئی۔

(۲۳) بیاض گمنام۔ یہ بیاض اس حصے پر مشتمل ہے جو مولوی صاحب کے نمبر ۷ و ۸ و ۹ و ۱۰ کی ذیل میں ملتا ہے۔ انیس العاشقین کا یہ بہترین حصہ ہے۔ پروفیسر شیرانی کا بیان ہے کہ اس حصے میں مؤلف نے بندہ علی خاں المخاطب بہ نواب شیر افگن خاں کی بیاض سے کام لیا ہے جو کلہم پانچ حصوں پر بتفصیل ذیل منقسم ہے:

فصل اول: در ذکر اشعار مشائخ فصل دوم: در ذکر اشعار علماء فصل سوم: در ذکر اشعار سلاطین متضمن بر ہفت فرقہ:

(الف) فرقہ اول سلاطین صفویہ (ب) فرقہ دوم سلاطین گیلان (ج) فرقہ سوم سلاطین دودمان حضرت صاحبقران (د) فرقہ چہارم سلاطین دکن (ہ) فرقہ پنجم سلاطین مقدم و مؤخر ہر کشور (و) فرقۂ ششم جمعے کہ از طرف مادر نسب شان بسلسلۂ علیہ صفویہ می رسد یا شرف دامادی این خاندان یافتہ اند (ز) فرقۂ ہفتم صدور و وزراء و امراء۔

فصل چہارم : در ذکر اشعار استادان متقدم فصل پنجم : در ذکر اشعار اساطین شعرائے متأخر۔

مؤلف انیس العاشقین نے اس بیاض کا انتخاب کرتے وقت بے حد اختصار سے کام لیا ہے اور اس کی اصلی ترتیب کو، جو تاریخی تھی، حروف تہجی کی ترتیب سے بدل دیا ہے،جس سے بعض اوقات عجب غلطیاں سرزد ہوگئی ہیں۔ مثلاً نواب بندہ علی خاں نے جہاں سلطان حسین بایقرا کے اشعار کا ذکر کیا ہے اس کے بعد اس کے فرزند بدیع الزماں میرزا کے اشعار درج کردیتے ہیں اور سرخی میں یوں لکھ دیا ہے "بدیع الزماں میرزا والد سلطان مزبور"۔ اب چونکہ احمد علی کے ہاں ترتیب بہ حروف تہجی ہے اس لیے اس کے ہاں بدیع الزماں کا نام ظہیرالدین بابر کے نام کے بعد آیا ہے۔ کاتب نے اصلی بیاض سے بدیع الزماں کے لیے وہی اصلی سرخی نقل کرلی ہے، یعنی "بدیع الزماں میرزا ولد سلطان مزبور" جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ناواقف شخص بدیع الزماں میرزا کو ظہیرالدین بابر کا فرزند مان لے گا۔ اس سلسلے میں یہاں چند الفاظ نواب بندہ علی خاں کے لیے کہنے ضروری ہیں۔

نواب سید بندہ علی خاں نعمت اللہی باسطی، نواب غیرت خاں صلابت جنگ کے فرزند اور نواب عزت الدولہ شیرافگن خاں بہادر صفدر جنگ کے پوتے ہیں۔ مؤخرالذکر فردوس آرامگاہ محمد شاہ کے دربار میں معزز امراء میں سے تھے۔ سابق میں ان کا خطاب غالب جنگ تھا۔ ماثر الامراء میں اس خطاب کے چھن جانے کا قصہ غازی الدین خاں کے حالات میں یوں مذکور ہے: جب بادشاہ نے غازی الدین کے منصب و خطاب کی بحالی کا حکم دیا اس وقت غازی الدین خاں اور عزت الدولہ دونوں موجود تھے۔ غازی الدین خاں

نے عرض کی کہ سابق میں فدوی کا خطاب غالب جنگ تھا۔ اب یہ خطاب عزت الدولہ کو مل گیا ہے۔ اس وقت فدوی اور عزت الدولہ دونوں موجود ہیں۔ اگر ارشاد عالی ہو تو ہم دونوں تلوار کے ساتھ باہم جنگ کریں۔ پھر جو غالب آئے وہی غالب جنگ کے خطاب کا مستحق قرار پائے۔ بادشاہ اس پر مسکرائے اور فرمایا کہ اچھا میں تم کو غالب جنگ کا خطاب عطا کرتا ہوں اور ان کو صفدر جنگ کا۔

نواب غیرت خاں صلابت جنگ کے حالات معلوم نہ ہوسکے۔ صرف اسی قدر معلوم ہے کہ ان کا نام حبیب اللہ تھا۔ نواب سید بندہ علی خاں خلف غیرت خاں، بعد میں ان کو اپنے دادا کا خطاب شیرافگن خاں مل جاتا ہے۔ افضل الدین ثابت نے ایک قصیدہ بھی ان کی مدح میں لکھا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا تخلص سبقت تھا۔ میں یہاں ان کے دو شعر، جو کسی قدیم بیاض سے ملے ہیں، درج کرتا ہوں:

هر جا کہ می نشینم و هر سو کہ می روم
آرام کوئے یار ز یادم نمی رود

در گلخن دهر گرچہ خاریم
از باغ و بہار یادگاریم

بندہ علی خاں خود ثابت کے شاگرد اور مرید تھے۔ عقیدت اس درجہ بڑھی ہوئی تھی کہ یہ مصرع ان کی انگشتری پر منقوش تھا:

ع شیرافگن خاں مرید ثابت است

گلشن علی جونپوری المتخلص بہ گلشن نے اپنی تالیف 'صورت حال' میں ان کا تذکرہ کیا ہے اور لکھا کہ جب میں ابتدائے جوانی میں دہلی گیا تو ایک نوجوان رئیس زادے، بندہ علی خاں المخاطب بہ شیرافگن خاں کا ملازم ہوگیا۔ نادر شاہی حملے میں گلشن علی،

بندہ علی خاں ہی کے پاس تھے۔ خود بندہ علی خاں ، گلشن سے بے حد محبت کرتے تھے چنانچہ اپنی بیاض میں جہاں ان کا نام لکھا ہے "برادر عزیز حفظاللہ تعالیٰ" کے الفاظ کے ساتھ لکھا ہے۔

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ بندہ علی خاں کو شعر و سخن کا نہ صرف شوق تھا بلکہ یہ شوق عشق تک پہنچ گیا تھا۔ دہلی میں ان کے گھر پر مشاہیر شعراء کی آمدورفت رہتی تھی۔ ہر وقت باکمالوں کا مجمع لگا رہتا تھا۔ سید موصوف خود شعر کے بڑے زبردست مبصر تھے۔ اپنی بیاض میں انھوں نے ایک الگ فصل میں اپنے دوستوں کا کلام درج کیا ہے۔ اس پر سرسری نگاہ ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے کے منتخب اور چوٹی کے شاعر تمام کے تمام ان کی فہرست احباب میں شامل ہیں۔ اس فصل کا عنوان 'احبائے معاصرین' ہے جس میں یہ نام شامل ہیں :

۱- شمس الدین فقیر ، جن کو بندہ علی خاں "سخن آفرین بے نظیر" کے القاب سے یاد کرتے ہیں ۲- نصراللہ خاں نثار ۳- امیر محمد عظیم ثبات۔ یہ ثابت کے فرزند ہیں ۴- میرزا جان جاناں مظہر ۵- محتشم علی خاں حشمت ۶- رشید خاں علوی ۷- سراج الدین علی خان آرزو سلمہ اللہ تعالیٰ ۸- آیت اللہ ثنا ۹- میر مرتضیٰ حیدر ۱۰- نظیر بیگ خادم ۱۱- معنی یاب خاں ۱۲- شاہ قابل ۱۳- عبدالغنی بیگ قبول ۱۴ قاسم یار خاں قسمت ۱۵- میرزا حیدر قلی ۱۶- شاہ گلشن ۱۷- زاھد علی خاں سخا ۱۸- برادر عزیز گلشن علی جونپوری حفظ اللہ تعالیٰ ۱۹- میرزا گرامی خلف قبول ۲۰- شیخ عبدالرضائے متین ۲۱- میر فیض علی نصیری ۲۲- مرزا محمد علی وفا۔ ۲۳- آقا صالح برھان ۲۴- آقا لطیف ۲۵- شرف الدین علی خاں پیام غفرلہ۔

سید بندہ علی خاں اگرچہ شاعر تھے تاہم انھوں نے شعر گوئی کے مقابلے میں شعر فہمی کے مذاق کو زیادہ نشو و نما دی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ شاعر بہت ہیں لیکن شعر شناس بہت کم ملتے ہیں۔ یہ شعر کے حقیقی جوہری تھے اور ان کی طبیعت قدرتاً اس کام کے لیے موزوں تھی چنانچہ ان کے مذاقِ صحیح اور انتخابِ سلیم کا نتیجہ بیاض زیر بحث ہے۔

سید بندہ علی خاں نے زیادہ تر ایک خاموش لیکن ادبی زندگی بسر کی ہے۔ اپنے عہد کی سیاست سے ان کو بہت کم سروکار رہا ہے۔ اس لیے ان کے واقعاتِ زندگی تاریخِ عہد میں نہیں ملتے مگر علمی میدان میں کئی کارنامے یادگار چھوڑے ہیں جن کا آج سراغ لگانا بھی دشوار ہے۔ جو معدودے چند معلوم ہیں میں یہاں ذکر کرتا ہوں:

۱- سب سے مقدم یہی بیاض ہے جو ۳۱۳، اوراق پر شامل ہے۔ ہر صفحے میں ۲۱ سطریں اور ہر سطر میں دو شعر ہیں۔ اس بیاض کے ماآثر حسب ذیل ہیں:

(الف) بیاض میرزا صائب۔ بیشتر حصہ اسی بیاض سے ہے۔ (ب) کشکول بہاءالدین آملی (ج) بیاض عبدالباقی نہاوندی مؤلف ماآثر رحیمی۔

بندہ علی خاں کی بیاض کی آخری دو فصلیں، جن میں شعرائے متقدمین و متاخرین کے انتخابی اشعار درج ہیں، بے حد اہم ہیں۔ یہاں ہم ان کے سلیقۂ انتخاب اور مذاقِ صحیح کا بہترین ثبوت پاتے ہیں۔

اس کا اصلی اور قدیمی نسخہ بھی تذکرہ مخزن الغرائب اور انیس العاشقین جیسے نوادر کی طرح پروفیسر شیرانی کے کتب خانے میں

موجود ہے جس میں خود نواب بندہ علی خاں نے اپنے قلم سے عبارت ذیل تحریر کی ہے۔

"این نسخہ مسودہ مجموعہ ہست کہ خاکسار ترتیب می دہد۔ آنچہ درین ثبت یافتہ بیشتر نقل بیاض میرزا صائب علیہ الرحمتہ و قدرے از کشکول شیخ بہائی علیہ الرحمتہ و قلیلے از روئے مجموعہ نوشتہ آقا عبدالباقی نہاوندی مؤلف ماثر رحیمی و کمترے از بیاض ہائے متفرقہ باشد۔ امیدوارست کہ انشاءاللہ تعالیٰ تکمیل یابد و ازیں عاصی یادگارے ماند و مقبول اہل دل گردد۔ بنا بر تعجیل این چند جزو کہ بعض جا مغشوش است و قابلیتے نداشت اما بمقتضائے المامور معذور پیشکش قبلہ فرزندان شریف حسن خاں صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ نمودہ فی سنہ ۱۱۵۶ھ"۔

۲- سنہ ۱۱۶۱ھ میں انھوں نے ایک اور بیاض تیار کی جس کی تقسیم ابواب و فصول بعینہٖ بیاض اول کے مانند ہے۔ البتہ اس میں شعرائے متاخرین کی فصل غیر حاضر ہے اور اس کے بجائے دو نئے طبقے لکھے گئے ہیں۔ جن میں پہلا اشعار اطبائے مقرب سلاطین سے تعلق رکھتا ہے اور دوسرا ان کے معاصر احباب سے متعلق ہے، جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ یہ بیاض بھی اصلی اور قدیمی ہے اور نواب بندہ علی خاں نے اپنے قلم سے ذیل کی عبارت اس پر درج کی ہے:

"ہوالباسط۔ مجموعہ اشعار منتخب غزلیات و مقطعات و قدرے از قصاید تالیف بندۂ عاصی بندہ علی باسطی ابن حبیب اللہ المخاطب بغیرت خاں نعمت اللہی در سنہ ہزار ویک صدو شصت وسہ ہجری صورت اتمام یافت۔"

سنہ ۱۲۱۱ھ میں یہ نسخہ سلطان محمد میرزا الصفوی الموسوی الحسینی بہادر خاں المتخلص بطلوعی کے کتب خانے کی ملک تھا

اور خود طلوعی نے بعض حواشی پر اپنے اشعار لکھے ہیں۔ یہ نسخہ بھی آج پروفیسر شیرانی کے بے مثل کتب خانے میں ہے۔

۳۔ نواب شیر افگن خاں کا تیسرا علمی کام دیوان افضل الدین ثابت کو ترتیب دینا ہے۔ بندہ علی خاں، ثابت کے مرید ہونے کے علاوہ اس کے ممدوح بھی تھے۔ ثابت کے دیوان میں ان کی مدح میں جو قصیدہ ہے اس کا مطلع ہے:

زہے خیال بلند تو آسمانِ سخن فزود نسبت شعر تو قدر و شانِ سخن

جو دیوان میرے پیشِ نظر ہے پروفیسر شیرانی کا مقبوضہ ہے اور لطف یہ ہے کہ دیوان بھی وہی ہے جس کو نواب شیر افگن خاں نے ترتیب دیا ہے۔ اس پر ان کی مہر مورخہ سنہ ۱۱۵۱ھ موجود ہے اور ذیل کی عبارت انھی کے قلم سے مرقوم ہے:

"آنچہ مسودات اشعار حضرت پیر و مرشد برحق مبر افضل الدین محمد ثابت قدس اللہ سرہ العزیز بدست آمدند غلام ازلی بندہ علی فراہم آوردہ استکتاب کنانیدہ و این نسخہ متبرکہ را تواضع مشفق . . . نثار علی خاں صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ نمود حق تعالیٰ توفیق مطالعہ کرامت فرماید و ازین دولت مستفید گرداند۔"

اسی دیوان کا ایک اور نسخہ بندہ علی خاں نے اپنے دوست مولوی محمد پناہ کو عنایت کیا تھا جو اب برٹش میوزیم میں موجود ہے۔*

یہ اوپر مذکور ہو چکا ہے کہ بندہ علی خاں کی موجودہ بیاض میں صرف پانچ فصلیں ہیں اور ان فصلوں کے بعد انیس العاشقین میں ایک اور فصل ملتی ہے جس کا عنوان یہ ہے:

"فصل ششم۔ در ذکر اشعار مردم متفرقہ از سلف و خلف۔"

---

* فہرست قلمی کتب فارسی برٹش میوزیم، صفحہ ۹۰۷۔

ممکن ہے کہ خان موصوف نے اس کو بعد میں اضافہ کردیا ہو۔ اب میں پھر 'انیس العاشقین' کی فہرست کی طرف رجوع کرتا ہوں :

(۲۴) غزلیات۔ اس میں ردیف وار بترتیب حروف تہجی 'الف' سے لے کر 'ے' تک مختلف شعراً کی غزلیں مندرج ہیں۔

(۲۵) مستزاد ۔ مولانا روم، شیخ عطار، ہاشم، فخرالدین صفاہانی، ابن حسام، مہرزابیدل ۔ سلسلۂ بیاض قدیم ۔ قطعہ اشرف ماژندرانی بخدمت زیب النسأ بیگم متعلقۂ ارادت فہم خواص۔ رباعیات سحابی نجفی، بابا طاہر عریاں (یہاں مولوی محفوظالحق صاحب نے بابا فغانی کا نام لکھا ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ یہاں بابا طاہر کا نام ہے اور رباعیاں بھی انھی کی منقول ہیں۔ اسی موقعے پر یعنی نمبر ۱۱ کے ذیل میں مولوی صاحب نے لکھا ہے) 'شرح غزلیات امیر خسرو دہلوی'۔ خدا جانے اشپرنگر صاحب کیا سمجھے۔ اصل میں امیر خسرو کے شعر ذیل کی تشریح ہے جس کے نو معنے بتائے جاتے ہیں :

بر سربرائے پہلتن شاہی و بسیار است بار
زان مرنج اے ابر و باغ ارگویمت بسیار بار

(۲۶) مثنویات قضا و قدر از محمد قلی سلیم، سراپا از میر سید علی مہری، معراج الخیال از علی رضا تجلّی، شیریں فرہاد وحشی، مثنوی سوزوگداز از ملا نوعی۔

(۲۷) قصائد سلمان ساؤجی، مولانا امیدی در منقبت، کمالی سبزواری در منقبت ۔

(۲۸) ترجیع بند حکیم شفائی، مولانا شانی، شیخ سعدی ۔

(۲۹) ساقی نامہ مولانا محمد صدقی رحمتہ اللہ علیہ ۔ سلسلۂ بیاض قدیم۔ حالات و کلام نظامی، حافظ، شوکت، عرفی، ملک قمی۔

احوال و غزلیات میرزا محمد علی خان صبا خلف نواب محمد قلی خان بن میرزا محسن برادر نواب صفدر جنگ۔

(۳۰) مخمسات طالب، شیدا، صحبی، جمالی، شاهی، ریاضی، قربان، حافظ نعمت‌اللهی، سیدا، مقیمی، محمود، حسابی، صالحی، هزالی، خرد، سیدا، هاشمی، خستہ۔

احقر عبداللہ، چابک سواراں، لاہور، مؤرخہ ۲۔ اگست سنہ ۲۴ء۔

تذکرہ مخزن الغرائب و انیس العشاق (جواب الجواب) از محمد محفوظ الحق ایم۔ اے۔

ستمبر سنہ ۱۹۲۴ء کے 'ہمایوں' میں میرے ایک مضمون 'تذکرۂ مخزن الغرائب پر ایک نظر' (مطبوعہ 'معارف' بابت جون سنہ ۱۹۲۴ء) کا جواب شائع ہوا ہے جس کو پڑھ کر ہمیں خوشی اور افسوس دونوں ہے۔ خوشی اس لیے کہ مضمون نگار (مولوی عبداللہ) صاحب کی تحریر سے بعض نادرالوجود کتابوں کی موجودگی کا پتا ملا اور افسوس اس امر کا کہ انہوں نے بعض ایسی باتیں بیان کی ہیں، جو کسی طرح صحیح اور قابل قبول نہیں اور مزید افسوس اس لیے ہے کہ گو وہ مضمون مولانا حافظ محمود شیرانی جیسے فاضل اہل قلم کے مشورے سے لکھا گیا ہے لیکن اس پر بھی بعض ایسی صریحی غلطیاں نظر آتی ہیں جن کو دیکھ کر حیرت و استعجاب کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ بہرحال اب میں بلا مزید تمہید مولوی صاحب کے اعتراضات کا نمبروار جواب دیتا ہوں اور اس امر کا فیصلہ ناظرین پر چھوڑتا ہوں کہ وہ میرے جوابات کے متعلق اپنی رائے خود قائم کریں۔

(۱) مولوی صاحب میرے متعلق فرماتے ہیں کہ ہم نے "مولانا حبیب الرحمان خاں شروانی کے مضمون تذکرۂ مخزن الغرائب بابت ماہ مارچ سنہ ۱۹۴۴ء کے بعض غیر اہم پہلوؤں کو غیر ضروری فروغ دیا ہے"۔ بجواب عرض ہے کہ ان کا یہ اعتراض صحیح نہیں کیونکہ ہم نے 'بعض غیر اہم پہلوؤں' کو 'فروغ' نہیں دیا ہے بلکہ مولانا شروانی کے لطیفے پر ایک مزید لطیفہ سنایا ہے۔[۱] اور ساتھ ہی ایک غلط فہمی کی تصحیح کردی ہے۔ کیونکہ ہر شخص مولانا شروانی کی بیان کردہ شرح خریداری کو دیکھ کر یہی اندازہ لگائے گا۔ اس تذکرے میں کوئی آٹھ ہزار شعراء کا حال درج ہے، جو کسی طرح صحیح نہیں۔ اگر تذکرے کی قیمت کا سوال صرف بائع و مشتری تک محدود ہوتا تو خیر لیکن اس 'قیمت' سے چونکہ ایک غلط اور غیر صحیح نتیجے کے استنباط کا بھی خوف تھا اس لیے اس تصحیح کی ضرورت معلوم ہوئی۔ اس بیان سے آپ کو معلوم ہوجائے گا کہ میرا مقصد یہ دکھانا نہیں تھا کہ مولانا شروانی "حساب میں کمزور ہیں" بلکہ میری غرض اس غلط فہمی کا ازالہ تھی جس کی طرف ہم نے ابھی اشارہ کیا اور جس میں ہمارے بہت سے اربابِ فن مبتلا ہوئے۔

(۲) مولوی صاحب میرے متعلق ارشاد فرماتے ہیں کہ "خود مولوی صاحب نے اپنی صحیح حساب دانی کا کوئی شاندار نمونہ

۱۔ چنانچہ میرے اصلی الفاظ ملاحظہ ہوں: "تذکرے کا نام مخزن الغرائب ہے اس لیے کوئی تعجب کی بات نہیں کہ اس کی شرح خریداری اگر ایک 'غریب' لطیفہ ہے تو اس سے 'غریب تر' لطیفہ اس کی قیمت کی ادائگی ہے۔ غرض یہ سب باتیں 'مخزن الغرائب' کے 'غرائب' میں داخل ہیں"۔

پیش نہیں کیا ہے۔ تین ہزار ایک سو اڑتالیس پیسوں کے انتالیس روپے تین آنے بتائے۔ حالانکہ فی الواقع انچاس روپے تین آنے ہوتے ہیں۔ امید کرتا ہوں کہ مولوی صاحب اس موقعے پر کاتب کا عذر نہیں پیش کریں گے"۔

لیکن معارف میں جو قیمت درج ہے وہ اس طرح پر ہے: 'انتالیس روپے تین آنے' اسی کی بنا پر مولوی صاحب نے اعتراض فرمایا ہے کہ قیمت 'انچاس روپے' ہونی چاہیے نہ کہ 'انتالیس روپے' لیکن اگر مولوی صاحب دیکھیں گے تو معلوم ہوگا کہ مندرجہ بالا اقتباس میں 'انچاس اور انتالیس' -۱، دونوں ہیں۔ اعتراض کرتے وقت ان کو دونوں باتیں لکھ دینی چاہیے تھیں۔ یعنی یہ کہ 'معارف' میں دو متضاد قیمتیں درج ہیں، جن میں ایک صحیح اور دوسری غلط ہے لیکن 'صحیح' سے چشم پوشی فرما کر انھوں نے 'غلط' پر اعتراض وارد کیا ہے جو اصول تنقید کے بالکل منافی ہے۔ یہاں ہمیں کاتب کا 'رسمی عذر' پیش کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ اس کا فیصلہ خود ناظرین کر سکتے ہیں کہ دراصل ہم نے کیا لکھا تھا اور اس کے بعد رسالے میں کیا لکھا گیا۔ اس کے علاوہ مولوی صاحب کے مزید اطمینان کے لیے میں اتنا اور لکھنا چاہتا ہوں کہ مولانا شروانی کے 'عزیز' کے متعلق (جنھوں نے وہ تذکرہ خرید فرمایا ہے) میں نے یہ الفاظ لکھے ہیں:

"مولانا کے عزیز جنھوں نے وہ تذکرہ خرید فرمایا ہے کوئی پچاسی روپے کے گھاٹے میں رہے"۔ اب پچاسی ۸۵ کو اگر مولانا شروانی کی بیان کردہ قیمت یعنی ۱۳۵ سے گھٹایا جائے تو

۱- رقم میں انچاس درج ہے لیکن کاتب صاحب نے 'حروف' اور 'ہندسہ' میں لکھنے میں غلطی کی ہے۔

انچاس روپے ہوتے ہیں نہ کہ انتالیس روپے۔ اگر ہم نے واقعی انتالیس حساب کیا ہوتا تو ہمارے فقرے یہ ہوتے:

"مولانا شروانی کے عزیز . . . کوئی پچھتر روپے کے گھاٹے میں رہے"۔ اسی کے چند سطر نیچے میرا یہ فقرہ ملاحظہ ہو:

"اس لیے سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک پیسا فی شاعر کے حساب سے اس کی قیمت ۵۰ پیسے سے کس طرح زیادہ ہوسکتی"۔

کیا ان بیانات کے بعد اب میں یہ کہنے کی جرأت کروں کہ مولوی صاحب نے اپنا اعتراض محض اعتراض کی بنا پر کیا ہے اور غالباً ناظرین 'ہمایوں' کو غلط فہمی میں ڈالنے کی کوشش کی ہے! واللہ اعلم بالصواب۔

(۳) مولوی صاحب نے میرا شکریہ ادا کیا ہے کہ ہم نے "مؤلفِ تذکرۂ مخزن الغرائب کے حالات جو فی الواقع مولانا شروانی کے مضمون سے رہ گئے تھے، بہم پہنچا کر ہمیں مستفید کیا"۔ اس شکریے کا میں شکریہ ادا کرتا ہوں لیکن اسی کے بعد مولوی صاحب فرماتے ہیں: "بعض مواقع پر خفیف خفیف غلط فہمیاں بھی اضافہ کردی ہیں یا بعض باتیں جن کا بیان ہونا ضروری تھا، ذکر نہیں کیں"۔

مولوی صاحب اگر صرف یہ فرماتے: "بعض باتیں، جن کا بیان ہونا ضروری تھا، ذکر نہیں کیں"۔ تو ہمیں اس کے ماننے میں کوئی عذر نہیں تھا کیونکہ وہ مضمون اس غرض سے نہیں لکھا گیا تھا کہ مؤلفِ تذکرہ کی مکمل لائف پیش کی جائے بلکہ اس کے صرف تین مقصد تھے۔ ایک تو سابق الذکر غلط فہمی کا ازالہ، دوسرے تذکرے کی جامعیت کا صحیح اندازہ اور تیسرے 'انیس العاشقین' کے متعلق اطلاع۔ البتہ ضمن میں مؤلف کے بعض حالات پیش کردیے گئے تھے جو

بےحد مختصر تھے۔ اس لیے میرے اس مضمون میں مؤلف کی مفصل و مکمل لائف کی تلاش بےجا ھے۔ ھر تفصیل کے اجمال میں عموماً غلط فہمی کا اندیشہ رھتا ھے اس لیے میرے مضمون کے بعض حصے اگر مفصل نہیں بلکہ مجمل ھیں تو میں اس کے لیے معذور ھوں۔

(۴) مولوی صاحب نے میری 'غلط فہمیوں' کی تفصیل میں جس امر پر خاص طور پر زور دیا ھے اور جس کے اثبات میں انھوں نے غیر معمولی کد و کاوش کی ھے اس کا ذکر آئندہ سطور میں ھوگا لیکن یہاں میں اتنا عرض کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ مولوی صاحب نے 'معقول' سے زیادہ 'منقول' پر اعتبار کیا ھے جو خود ان کی 'غلط فہمی' کا باعث ھوا ھے۔

مولوی صاحب نے مولانا شروانی کے اس بیان "نواب ذوالفقار الدولہ نجف خاں . . . (کے) فیض صحبت کا نتیجہ یہ تذکرہ ھے" کی تائید فرمائی ھے اور میرے بیان "میرزا نجف خاں کی سرکار کا یہ فیض خاص نہیں" کی تردید میں اپنے دلائل پیش کیے ھیں۔ لیکن ان کے دلائل اور طویل اقتباسات سے صرف اتنا پتا چلتا ھے کہ مؤلف نے میرزا نجف خاں کی ملازمت کے زمانے میں بہت سے حالات و واقعات فراھم کیے تھے جس سے اس وقت ھمیں بھی انکار نہیں لیکن کیا کوئی صاحب ذوق اس امر کو تسلیم کرسکتا ھے کہ خان مذکور کی وفات کے بائیس سال بعد تک (یعنی سنہ ۱۱۹۶ھ سے سنہ ۱۲۱۸ھ تک) مؤلف تذکرہ ھاتھ پر ھاتھ دھرے بیٹھا رھا اور نواب صاحب کے زمانے کے تاریخی مواد کو اپنے پاس رکھے رھا اور بلا کسی اضافے کے اس کو شائع کر دیا۔ احمد علی جیسے متجسس اور طباع شخص کے لیے یہ امر دشوار بلکہ تقریباً ناممکن معلوم ھوتا

ہے کہ اس مزید بائیس سال کے عرصے میں اس نے اور حالات فراہم نہ کیے ہوں۔ اس کے علاوہ مولوی صاحب کو اس امر پر بھی غور فرمانا چاہیے تھا کہ 'مخزن الغرائب' میں آدھے کے قریب ہندوستان کے فارسی گو شعراء کا حال درج ہے۔ بھلا نواب نجف خاں کی سرکار میں اسے "* خراسانی ، عراقی اور خطۂ فارس کے دوستوں سے" کیا خاص مدد ملی ہوگی کہ (بقول مولوی صاحب) " ان کو کاغذات کے پرچوں پر علیحدہ علیحدہ لکھتا رہا . . . اور بجائے بیاض کی شکل میں ترتیب دینے کے بترتیبِ حروفِ تہجی تذکرے کی شکل میں جمع کردیا":

کیا چندربھان برہمن ، لالہ ملک شہید ، لالہ ذوقی رام حیرت ، لالہ سرب سنگھ دیوانہ، انشاالله خاں انشا اور میر تقی میر ● وغیرہ شعراء کے حالات اور ان کا کلام بھی اس کو "خراسانی ، عراقی اور خطۂ فارس کے دوستوں سے" ملا تھا کہ ان کو " بترتیبِ حروف تہجی" تذکرے کی صورت میں جمع کردیا۔ اور کیا جواہرلال دبیر کے حالات بھی، جو تذکرے کی تالیف کے وقت کل سترہ برس کا تھا اور میرزا نجف خاں کی وفات کے پانچ سال بعد پیدا ہوا تھا، مؤلف تذکرہ نے خود میرزا نجف خاں کی حیات میں اس کی سرکار کے "خراسانی، عراقی اور خطۂ فارس کے دوستوں سے" حاصل کیے تھے؟

اس کے علاوہ ایک حیرت انگیز امر یہ ہے کہ مولوی صاحب نے مولانا شروانی اور اپنے بیانات کی تردید خود ہی کردی ہے۔ چنانچہ مولوی صاحب کے اس بیان سے کہ مؤلفِ تذکرہ نے سنہ ۱۲۱۸ھ میں

---

* یہ فقرے مولوی صاحب کے ہیں جن کو انھوں نے مخزن سے نقل فرمایا ہے۔

● ان تمام شعراء کے حالات تذکرے میں موجود ہیں۔

(یا اس کے بعد) "بعض معاصرین کے حالات، جو اصل مسوّدے میں شامل نہیں تھے بعد میں حاشیے پر اضافہ کیے ہیں"۔ صاف ظاہر ہے کہ مؤلف نے تمام حالات میرزا نجف خاں (متوفی سنہ ۱۱۹۶ھ) کی حیات میں "خراسانی عراقی اور خطۂ فارس کے دوستوں سے" حاصل نہیں کیے تھے بلکہ میرزا نجف خاں کی وفات کے بعد بھی وہ اپنی تلاش میں مصروف رہا اور تجسّسِ علمی سے باز نہیں آیا اور اس طویل سعی و کوشش کا نتیجہ وہ تذکرہ ہے۔

مندرجہ بالا سطور کے پڑھنے کے بعد اب ناظرین خود اس امر کا فیصلہ فرمائیں کہ مولانا شروانی کا یہ بیان "نواب نجف خاں . . . (کے) فیضِ صحبت کا نتیجہ یہ تذکرہ ہے" زیادہ صحیح ہے یا میرا یہ بیان کہ "میرزا نجف خاں کی سرکار کا یہ فیضِ خاص نہیں" جس کی تردید میں مولوی صاحب نے اپنے دلائل و براہین پیش فرمائے ہیں۔

(۵) مولوی صاحب نے واقعی صحیح لکھا ہے کہ میرزا قتیل کا نام محمد حسن ہے نہ کہ محمد حسین۔ میرا اصل مسودہ ایڈیٹر صاحب کی خدمت میں پیش ہے۔ وہ خود بتادیں گے کہ میں نے محمد حسن لکھا ہے لیکن کاتب نے یہ تحریف روا رکھی ہے۔ اس سطر میں کاتب صاحب نے 'تحریک' کو 'تحریر' لکھا ہے جس سے مضمون خبط ہوگیا ہے۔ اس کے علاوہ اور بے شمار غلطیاں کتابت کی ہیں مثلاً 'غریب اضافے' کو 'غریب کا اضافہ' اور "اس لیے سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک پیسا فی شاعر کے حساب سے اس کی قیمت پچاس سے کسی طرح زیادہ نہیں ہوسکتی" کے بجائے "اس لیے سمجھ میں نہیں آتا . . . پچاس سے کس طرح زیادہ ہوسکی" وغیرہ۔

اب رہا احمد علی (مؤلفِ تذکرۂ مخزن الغرائب) اور میرزا قتیل کی شاگردی و استادی کا مسئلہ تو اس کے متعلق خود مؤلف کے

بیانات متضاد معلوم ہوتے ہیں۔ دیباچے میں وہ ان کو 'استادی افصح الفصحا ابلغ البلغا' کے نام سے یاد کرتا ہے اور اسی بنا پر ہم اس نتیجے پر پہنچے۔ لیکن مولوی صاحب صرف اس تصحیح پر بس نہیں کرتے بلکہ میرے متعلق ایک ایسا فقرہ بھی تحریر فرماتے ہیں جو شریعتِ تنقید میں ناجائز اور مذاقِ سلیم کے منافی ہے۔ وہ فرماتے ہیں "اگر مولوی صاحب میرزا قتیل کے حالات پر . . . ایک نظر ڈال لیں گے تو یہ شبہ، جس میں ان کے 'انگریزی پیش رو' بھی شریک ہیں، رفع ہوجائے گا۔"

یہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میرے 'انگریزی پیش رو' سے مولوی صاحب کیا مراد لیتے ہیں۔ کیونکہ میں نے اپنے مضمون میں کسی 'انگریزی پیشرو' کا ذکر نہیں کیا اور نہ میں نے کسی انگریز کو اپنے مضمون کا ماخذ بتایا ہے۔ * اس لیے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی صاحب نے شاید میرے مضمون کی وقعت گھٹانے کے لیے یہ فقرہ تحریر فرمایا ہے۔ لیکن مولوی صاحب کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ اس 'شبہے' میں صرف میرے 'انگریزی پیشرو' ہی مبتلا نہیں بلکہ میرے 'مسلمان پیش رو' یعنی نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی بھی (جن کی حمایت میں مولوی عبداللہ صاحب نے اپنا وہ طویل مضمون تحریر فرمایا ہے) شریک ہیں۔ چنانچہ احمد علی (مؤلفِ تذکرہ 'مخزن الغرائب' کے متعلق مولانا شروانی کا حسب ذیل فقرہ ملاحظہ ہو: "میرزا قتیل کے شاگرد تھے"۔ کیا میں

---

* اپنے مضمون کے آخری حصے میں البتہ میں نے ڈاکٹر اشپرنگر کی 'فہرست' سے 'انیس العشاق' کے مطالب کو نقل کیا ہے۔ لیکن اس سے نفسِ مضمون کو کوئی تعلق نہیں۔

امید کروں کہ اس 'انکشاف' کے بعد مولوی صاحب اپنے طرزِ اعتراض پر دوبارہ نظر ڈالنے کی سعی فرمائیں گے ؟

(۶) تذکرۂ 'نشتر عشق' کے مؤلف نواب حسین قلی خاں کا نام کاتب نے غلط تحریر کیا ہے۔ چنانچہ میرے مسودے میں صحیح نام درج ہے ۔ میں 'نشترِ عشق' سے خوب واقف ہوں ۔ مولوی خدابخش خاں کے کتب خانے میں بارہا میری نظر سے گذر چکا ہے۔ مؤلفِ تذکرہ کے بعض حالات (ایک مبحث علمی کے ضمن میں) میں نے 'معارف' میں شائع کرائے تھے۔ چنانچہ رسالۂ مذکور (جلد ۱۲، نمبر ۲، صفحہ ۱۵۶) میں میرے یہ فقرے ملاحظہ ہوں:

"لیکن تذکرۂ عشقی، جس کا اصلی نام 'نشتر عشق' ہے اس سے بالکل مختلف چیز ہے۔ وہ فارسی شعرا کا تذکرہ ہے اور آغا حسین قلی خاں عشقی عظیم آبادی کی تالیف ہے۔ مؤلفِ 'گلشن بےخار' نے ان کا تخلص 'عاشق' لکھا ہے جو غالباً غلط ہے۔ یہ تذکرہ سنہ ۱۲۳۳ھ میں مرتب ہوا اور ۱۴۷۰ فارسی شعرا کے حالات پر مشتمل ہے۔ اس کے قلمی نسخے کتب خانۂ خدابخش خاں (پانکی پور) اور رامپور اسٹیٹ لائبریری میں موجود ہیں"۔

اس بیان کے بعد اس غلطی کو میرے نام محسوب کرنا صحیح نہیں۔ ہمارے یہاں جب تک کہ لیتھو کا رواج ہے اور اس کے ساتھ مضمون کے صحیح چھپنے کی ذمہ داری کاتب و مصحح پر ہے اس وقت تک اس قسم کی غلطیوں کا ہونا لازم ہے۔ اگر پروف مضمون نگار کے پاس بھیج دیا جائے تو یقیناً اس قسم کی صریحی اور افسوس ناک غلطیاں نہ ہوں۔

(۷) مولوی صاحب فرماتے ہیں : "میں اس امر کے سمجھنے سے بھی قاصر ہوں کہ مولوی خدابخش خاں مرحوم کے کتب خانے

کے نسخہ مخزن الغرائب کو مولوی صاحب چنداں قدیم نہیں مانتے جب کہ ہوڈلین کتب خانے کے نسخے کو جو سنہ ۱۲۲۴ھ کا نوشتہ ہے، دارالمصنفین کے نسخے نوشتہ سنہ ۱۲۲۰ھ سے دوسرے درجے پر مانتے ہیں۔ حالانکہ بانکی پور کے کتب خانے کا نسخہ بھی سنہ ۱۲۲۴ھ ہی کا مرقومہ ہے۔"

تعجب ہے مولوی صاحب نے اپنا استعجاب ظاہر کرنے سے پہلے ہوڈلین کتب خانے اور مولوی خدابخش خاں کے نسخہ "مخزن الغرائب" کی تاریخِ کتابت کو دیکھ کیوں نہیں لیا۔ کیونکہ اس صورت میں ان کو اس استعجاب کی زحمت نہ ہوتی۔ ہوڈلین کتب خانے کے نسخہ مخزن الغرائب کی تاریخ کتابت ۱۱ صفر سنہ ۱۲۲۴ھ ہے اور مولوی خدابخش خاں مرحوم کے کتب خانے کا نسخہ ۱۱ شوال سنہ ۱۲۲۴ھ کا مرقومہ ہے۔ یعنی اول الذکر نسخے کے آٹھ ماہ بعد لکھا گیا ہے۔ اس لیے اگر ہم ہوڈلین کتب خانے کے نسخے کو دارالمصنفین کے نسخے سے دوسرے درجے پر مانتے ہیں تو حیرت کی کون سی بات ہے اور مولوی صاحب "اس امر کو سمجھنے سے بھی قاصر" کیوں نظر آتے ہیں۔

(۸) مولوی صاحب کا یہ بیان خاص توجہ کا مستحق ہے:

"پروفیسر حافظ محمود شیرانی۔۔۔کا نسخہ۔۔۔ دارالمصنفین کے نسخے سے بھی قدیم ہے اور ابھی تک اسی کو شرف اولیت حاصل ہے۔ اس نسخے کی تاریخِ کتابت سنہ ۴۶ جلوس شاہ عالم مطابق سنہ ۱۲۱۹ھ اور مقامِ کتابت لکھنؤ ہے۔۔۔ مؤلف کے اصل مسودے سے منقول معلوم ہوتا ہے۔۔۔ اس کے علاوہ بعض معاصرین کے حالات، جو اصل مسودے میں شامل نہیں تھے، بعد میں حاشیے پر اضافہ کیے گئے ہیں۔ اس سلسلے میں یہ اصحاب قابلِ ذکر ہیں۔

سید انشاءاللہ خاں انشا، حضرت شاہ علی اکبر، میاں فرخ حسین حرماں، سید مہر علی حریق، غلام فخرالدین خاں حیرت، مولوی مصطفیٰ علی خاں گوپاموی خوش دل، جواہر لال دبیر، حاجی عابد صفاہانی، سید تقی میر (شاعر مشہور) لچھمی نرائن محبت، میرزا ابوالمعالی عالی وغیرہ"۔

"معلوم ہوتا ہے کہ یہ اسماً مصنف کی پہلی اشاعت سنہ ۱۲۱۸ھ میں، اگر درحقیقت اس وقت تک کوئی اشاعت ہو چکی تھی، داخل ہونے سے رہ گئے تھے، وہ اس نسخے میں اضافہ کردیے گئے"۔

مولوی صاحب نے مندرجہ بالاسطور میں چند در چند غلطیاں کی ہیں۔ اول تو یہ کہ انھوں نے مولوی مصطفیٰ علی خاں کے بعد ایک شخص گوپاموی خوش دل کا ذکر کیا ہے اور بظاہر نام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی ہندو بزرگ ہیں۔ لیکن مولوی صاحب کو شاید معلوم نہیں کہ 'گوپاموی' کسی شخص کا نام نہیں بلکہ اس کے معنے 'ساکن گوپامو' کے ہیں۔ گوپامو، اودھ میں ایک مشہور مقام ہے۔ مولوی مصطفیٰ علی خاں وہیں کے رہنے والے تھے۔ چنانچہ ان کے ہم وطن محمد قدرت اللہ گوپاموی مؤلف تذکرہ 'نتائج الافکار' ان کے متعلق یوں گویا ہیں (ص ۱۴۹):

"مولوی مصطفیٰ علی خاں . . . اصلش از گوپامو، من مضافات دارالحکومت لکھنؤ است۔"

کیا میں مولوی صاحب کی خدمت میں ان کا فقرہ واپس کروں اور امید رکھوں کہ "مولوی صاحب، کاتب کا رسمی عذر نہیں پیش کریں گے۔"

دوسری غلطی یہ کہ مولوی صاحب نے جہاں اور معاصرین کا ذکر کیا ہے (جن کے حالات بقول ان کے مؤلف تذکرہ نے سنہ ۱۲۱۸ھ کے

بعد اضافہ کیے ہیں) منجملہ ان کے میرزا ابوالمعالی عالی کا بھی نام لیا ہے اور چونکہ ان کا نام میر (میرتقی) اور محبت (اچھی نرائن) کے بعد آیا ہے، اس لیے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ وہی ابوالمعالی ہیں جن کا ذکر مؤلفِ تذکرہ نے حرف میم میں کیا ہے۔ اگر یہ واقعی وہی ابوالمعالی ہیں تو مولوی صاحب نے سخت غلطی کی ہے۔ یہ ابوالمعالی مؤلفِ تذکرہ کے معاصر نہ تھے کیونکہ ان کے حالات میں خود مؤلف مخزن‌الغرائب لکھتا ہے :

"میرزا ابوالمعالی مشہدی ، شیخ محمد علی حزیں در تذکرۃ المعاصرین ذکر او نمودہ" اور شیخ علی حزیں اپنے تذکرے میں ان کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں :

"شنیدہ شدہ کہ درآن ارض اقدس بجوار رحمت الٰہی آرمیدہ" (تذکرۃ المعاصرین قلمی، ورق ۴۲)۔

چونکہ 'تذکرۃ المعاصرین' سنہ ۱۱۶۵ھ میں لکھا گیا اس لیے ظاہر ہے کہ وہ (یعنی مرزا ابوالمعالی) مخزن الغرائب کی تالیف سے کوئی ۵۳ سال قبل مر چکے تھے لیکن مولوی صاحب ان کو مؤلف مخزن الغرائب کے معاصروں میں داخل کرتے ہیں جو باعثِ حیرت ہے۔ اس کے علاوہ ایک امر قابل غور یہ بھی ہے کہ مؤلف تذکرہ نے میرزا ابوالمعالی کے نام کے ساتھ عالی تخلص کا ذکر نہیں کیا اور نہ حزیں نے اپنے تذکرے میں ان کے تخلص کا ذکر کیا ہے۔ لیکن مولوی صاحب اس ابوالمعالی کے ساتھ بھی عالی تخلص کا ذکر کرتے ہیں۔ ممکن ہے کہ مولانا شیرانی کے نسخے میں اسی طرح درج ہو۔ یہاں یہ بتانا غالباً نامناسب نہ ہوگا کہ مؤلفِ مخزن الغرائب نے حرف عین میں دو شعراء کا ذکر کیا ہے جن کا عالی تخلص ہے۔ ایک تو ابوالمعالی نیشاپوری اور دوسرے

میرزا ابوالمعالی معروف بہ وزارت خاں۔ لیکن اگر مولوی صاحب یہ فرمائیں کہ ہم نے انھی ابوالمعالی کا ذکر کیا ہے، تو ان کو اس خاص نام کے لیے اپنی ترتیبِ حروفِ تہجی کو بدلنا ہوگا۔

تیسری غلطی جو مولوی صاحب نے کی ہے وہ نہایت سخت اور افسوس ناک ہے۔ بقول ان کے انشاءاللہ خاں انشا، میر تقی میر، میاں فرخ حسین حرماں اور غلام فخرالدین خاں حیرت وغیرہ کے حالات مؤلفِ تذکرہ نے سنہ ۱۲۱۸ھ میں یا اس کے بعد داخل کیے ہیں۔ ان کا یہ بھی خیال ہے کہ شاید سنہ ۱۲۱۸ھ سے قبل مخزن الغرائب کی اشاعت نہیں ہوئی تھی۔

ان کے اول الذکر نظریے کے جواب میں عرض ہے کہ اگر وہ مخزن الغرائب کے صفحات پر نظر ڈال لیتے تو شاید اس اہم غلطی میں مبتلا نہ ہوتے۔ اب میں خود تذکرے کی عبارتوں کو نقل کر کے مولوی صاحب کے مندرجہ بالا قول کی تردید کرتا ہوں اور جن معاصرین کے نام بقول ان کے مؤلفِ تذکرہ نے سنہ ۱۲۱۸ھ کے بعد بڑھائے، انھیں کے حالات درج کر کے میں ان کی غلطی دکھانا چاہتا ہوں۔ مثلاً میاں فرخ حسین خاں حرماں کے حالات میں (جن کی نسبت مولوی عبداللہ صاحب کا خیال ہے کہ ان کا حال مؤلفِ تذکرہ نے سنہ ۱۲۱۸ھ کے بعد اضافہ کیا ہے) خود مؤلف کا قول ہے:
"... و تا امروز کہ ہزارو دو صد و ہفت دہ ہجریست درکالپی مصروفِ افادہ از شاہ معین است"۔

اسی طرح اور بہت سے شعراء کے حالات میں مؤلفِ تذکرہ نے "تا امروز کہ ہزارو دو صد و ہفتدہ ہجریست" کا فقرہ استعمال کیا ہے لیکن کہیں کہیں "تا امروز کہ ہزارو دوصد و ہشتدہ ہجریست" کا فقرہ بھی موجود ہے مگر سنہ ۱۲۱۸ھ کے بعد کا کوئی سنہ تذکرے

میں موجود نہیں۔ لیکن اس پر بھی مولوی صاحب کا خیال ہے کہ سنہ ۱۲۱۸ھ میں تذکرے کی اشاعت نہیں ہوئی اور اس امر کا سب سے بڑا ثبوت (یعنی بعض معاصرین کے حالات کا اضافہ) جو انھوں نے پیش فرمایا ہے اس کی تردید ہوچکی، اب اس کے مقابلے میں خود مؤلف کا بیان ملاحظہ ہو۔ وہ خاتمے کی تاریخ اس طرح پیش کرتا ہے:

این تذکرہ از لطف قدیر قیوم
گردید بمخزن الغرائب موسوم
تاریخ تمامیش مرا شد در خواب
'ختم صحف' از ہاتف غیبی معلوم

'ختم صحف' سے جو تاریخ نکلتی ہے وہ سنہ ۱۲۱۸ھ ہے۔ اس لیے یہ ماننا ہوگا کہ تذکرے کی تکمیل سنہ ۱۲۱۸ھ میں ہوئی اور ظاہر ہے کہ اس کی اشاعت بھی اسی سنہ میں ہوئی ہوگی۔ گو یہ ناممکن نہیں کہ مؤلفِ تذکرہ نے بعض معاصرین و غیر معاصرین کے حالات تذکرے کی تکمیل و اشاعت کے بعد اضافہ کیے ہوں لیکن مخزن الغرائب کے متعلق اس کا کوئی بد یہی و یقینی ثبوت موجود نہیں اور مولوی صاحب نے جو ثبوت پیش کیے تھے ان کی کما حقہ تردید ہو چکی۔ محض حاشیے پر بعض معاصر شعراء کے حالات کا موجود ہونا اس امر کا ثبوت نہیں ہو سکتا کہ مؤلف نے تکمیل و اشاعت کے بعد ان کا اضافہ کیا ہے۔ بلکہ قرین قیاس یہ ہے کہ وہ یا تو کاتب کی فروگذاشت ہے یا اس نے جس نسخے سے نقل کیا (جو ضروری نہیں کہ خود مؤلف کا نسخہ ہو) وہ نامکمل تھا۔ خود میرے پاس تذکرہ کلمات الشعراء مؤلفہ افضل‌الدین سرخوش کا ایک قدیم قلمی نسخہ موجود ہے جس میں اکثر جگہ حک و اصلاح کی گئی ہے اور بعض شعراء کے حالات حاشیے پر مندرج ہیں۔ لیکن صرف یہ امر میں اس

دعوے کے ثبوت میں پیش نہیں کر سکتا (جیسا کہ مولوی صاحب نے کیا ہے) کہ یہ نسخہ "مؤلف کے اصل مسودے سے منقول معلوم ہوتا ہے ... کیونکہ بعض مقامات پر حک و اصلاح بھی کی گئی ہے ... اس کے علاوہ بعض معاصرین کے حالات جو اصل مسودے میں شامل نہیں تھے بعد کو حاشیے پر اضافہ کیے گئے ہیں"۔

۹۔ مولوی صاحب فرماتے ہیں "تعجب ہے کہ اس تذکرے میں خود خادم کے اشعار نہیں ملتے، حالانکہ فہرست اسماء میں 'خا' کے خاتمے پر یہ الفاظ نظر آتے ہیں:

'خادم سندیلہ مؤلف تذکرہ۔ میں یہاں ایک شعر پر قناعت کرتا ہوں:

بدیر و کعبہ چہ جوئی خدا کجا کہ نیست
بطوف پردہ' دل شو صفا کجاست کہ نیست"

لیکن اس وقت جو نسخہ میرے پیش نظر ہے اس میں خادم کے کوئی ۷۶۔ اشعار درج ہیں، جو نہایت صاف، سلیس اور دور آخر کی پیچیدگیوں سے پاک ہیں۔ انتخاب کلام ملاحظہ ہو:

آں غزال چیں بصحرا می رود
صبر و طاقت از دل ما می رود
تو کجا رفتی کہ از چشم ترم
دجلہ دجلہ خوں بدریا می رود
جانب خادم چو می آئی بناز
ہوشش از سر طاقت از پا می رود

رسوا شدم، خراب شدم، مبتلا شدم
ظالم نرحمی کہ بعشقت چہا شدم

گاهی بسوی من نگذشتی هزار حیف
زین سان سبک بچشم تو یارب چراشدم
از نہ سپہر رتبۂ خاکم بلند گشت
زاندم کہ من غلام شہ کربلا شدم
خادم نشد برون ز دل او غبار کین
مسکین شدم، فقیر شدم، خاک پا شدم

دلِ من طاقت هجران ندارد
امیدِ زیستن چندان ندارد
تنم بر بستر غم او فتاداست
تو پنداری کہ هرگز جان ندارد
طبیبا رہم خود ضایع مگر دان
کہ دردِ عاشقی درمان ندارد
مسلمانی مجو از چشمِ مستش
کہ کافر کار با ایمان ندارد
منادی می کند هرتارِ زلفش
کہ در عهدم کسی ایمان ندارد
طلای چهرۂ خادم بمن گفت
کہ عشقِ سیم بر نقصان ندارد

(۱۰) آخر میں ایک ایسے امر کے متعلق کچھ لکھنا چاهتا هوں جو خاص اهمیت رکھتا هے۔ یعنی یہ کہ فارسی کا سب سے ضخیم تذکرہ کون هے؟ مولانا شروانی کا خیال هے کہ وہ "مخزن الغرائب" هے اور خود میرا بھی یہی خیال تھا اور غالباً مولوی صاحب بھی میرے هم نوا هیں۔ لیکن میں ناظرین کو مطلع کرنا چاهتا هوں کہ

'مخزن الغرائب' سب سے ضخیم تذکرہ نہیں بلکہ 'صحفِ ابراہیم' مؤلفہ نواب علی ابراہیم خاں خلیل عظیم‌آبادی ہے، جس کا مکمل نسخہ برلن کی لائبریری میں موجود ہے۔ مولوی خدابخش خاں کے کتب خانے میں اس کی صرف ایک جلد موجود ہے، جس کی ضخامت کو دیکھ کر ہمیں خیال ہوتا تھا کہ اگر اس کا مکمل نسخہ مل جائے تو غالباً یہ سب سے ضخیم تذکرہ ہوگا۔ اتفاقاً میں برلن کی فہرستِ کتبِ فارسی (قلمی) مرتبہ ڈاکٹر پرش دیکھ رہا تھا کہ اس نادر الوجود تذکرے کے مکمل نسخے کا حال مل گیا، جس میں بقول ڈاکٹر پرش ۳۲۷۸ شعراً کا حال موجود ہے۔ ڈاکٹر موصوف نے ایک بڑا کام یہ کیا ہے کہ ان تمام شعراً کے نام اور ان کا تخلص بھی درج فہرست کردیا ہے جن کا ذکر تذکرۂ ہذا میں موجود ہے۔ اس لیے یہ فہرست نہایت مفید ہے۔

تذکرہ 'مخزن الغرائب' میں ۳۱۴۸ شعراً کا حال درج ہے اور 'صحفِ ابراہیم' ۳۲۷۸ شعراً کے حالات پر مشتمل ہے۔ اس لیے آخرالذکر تذکرے میں ایک سو تیس شعراً کے حالات زیادہ ہیں اور اطلاعات موجودہ کے لحاظ سے اسی کو فارسی کا ضخیم ترین تذکرہ کہنا ہوگا۔

حد جواب (غیر مطبوعہ)
از حافظ محمود خاں شروانی

مولانا محفوظ الحق صاحب کا 'جواب الجواب' میری نظر سے گذرا ہے۔ میں ابتدا ہی میں یہ بات صاف کہے دیتا ہوں کہ میں نے وہ مضمون صرف دو غرض سے لکھا تھا۔ اول یہ کہ مولانا حبیب‌الرحمٰن خاں صاحب شروانی کے کمال اور فارسی کے میدان

عکس تحریر حافظ محمود شیرانی

جواب

[illegible]

میں ان کے پائے کا اعتراف کروں۔ دوسرے اس مضمون کے متعلق، جس پر مولانا شروانی اور مولانا محفوظالحق صاحب جیسے فاضلوں نے اپنی قیمتی معلومات پبلک کی خدمت میں پیش کی تھیں، کچھ مفید اور مزید اطلاعات بہم پہنچاؤں۔ درحقیقت ایسا کرنے میں، میں خیال کرتا ہوں کہ میں نے کوئی کام نہیں کیا۔ دنیا کا قاعدہ یہی ہے کہ چراغ سے چراغ جلا کرتا ہے۔ اس میں کسی صاحب کو برا ماننے کی ضرورت نہیں۔ میں نے مولوی محفوظالحق صاحب کا مضمون بڑی دلچسپی کے ساتھ پڑھا ہے، لیکن اس کے دوران میں جو جو خفیف غلطیاں میری نظر پڑیں، میں نے مضمون میں ان کا ذکر بھی کردیا۔ اس سے خدانخواستہ مولوی محفوظالحق کے کمالِ علمی کی تنقیص مقصود نہیں تھی بلکہ میں تو اور محظوظ ہوں کہ پریسیڈنسی کالج کلکتہ کے افق پر ایک اور نیا ستارہ چمکا ہے جو اپنی علمی تحقیقات اور جدید انکشافات سے ایرانیات کے میدان میں ہماری معلومات کے ذخیرے کو گراں قدر بنادے گا۔ درحقیقت میرے مضمون میں اگر کوئی ایسی بات ہے جس سے مولوی صاحب کو رنج و افسوس ہوا تو میں بغیر کسی تأمل کے، سب سے پہلے ان سے معافی مانگتا ہوں۔ دل آزاری میرا شیوہ نہیں اور نہ ذاتی حملے میں کرنا چاہتا ہوں۔ مگر ساتھ ہی ہمیں یہ امر فراموش نہیں کردینا چاہیے کہ تنقیص بغرض تنقیص ایک غلط اصول ہے۔ علاوہ بریں چھوٹی چھوٹی اغلاط صرف بتانے کے لیے ہیں نہ کہ جواب دینے کے لیے۔ اس سلسلے میں یاد رہے کہ جس طرح انھوں نے بسبیلِ لطیفہ مولانا شروانی کی حسابی غلطی ظاہر کی تھی میں نے بھی اسی متعدی ہوا سے اثر پذیر ہوکر لطیفے پر لطیفہ پیش کیا تھا اور آخر میں اشارہ بھی کردیا تھا کہ میں امید کرتا ہوں کہ مولوی صاحب اس

موقعے پر کاتب کا رسمی عذر پیش نہیں کرینگے۔ کیونکہ مذاق اس میں یہی تھا کہ عین اسی موقعے پر جہاں کہ انچاس ہونا چاہیے وہاں بدقسمتی سے کاتب انتالیس لکھتا ہے۔ ع ہمیں ورق کہ سیہ گشت مدعا اینجاست۔

مولوی صاحب کو میں ہر طرح سے اطمینان دلانا چاہتا ہوں کہ میں نہ ان کو اور نہ مولانا شروانی کو، (اگرچہ مسلمان بالعموم کمزور مانے جاتے ہیں) فن حساب میں کمزور مانتا ہوں۔ اس لیے اس کے تحت میں مولانا کا ثبوتِ صفائی پیش کرنا بالکل غیر ضروری ہے۔

اب میں مولوی محفوظالحق صاحب کی دس دفعات کی بابت، جو انھوں نے میرے خلاف لگائی ہیں، اپنا ثبوتِ صفائی پیش کرتا ہوں۔

وہ فرماتے ہیں: "افسوس اس امر کا ہے کہ انھوں نے بعض ایسی باتیں بیان کی ہیں جو کسی طرح صحیح اور قابلِ قبول نہیں اور مزید افسوس اس لیے ہے کہ گو وہ مضمون مولانا حافظ محمودخاں شیرانی جیسے فاضل اہلِ قلم کے مشورے سے لکھا گیا ہے لیکن اس پر بھی بعض ایسی صریحی (کذا) غلطیاں نظر آتی ہیں جن کو دیکھ کر حیرت و استعجاب کے سوا کوئی چارہ نہیں"۔

میں بصد ادب مولوی صاحب کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ وہ مضمون میرے قلم سے نکلا ہے اور جو امداد میں نے اس میں پروفیسر شیرانی سے لی ہے اس کا اظہار بھی کر دیا ہے۔ اس کے باوجود مولانا مصر ہیں کہ پروفیسر شیرانی کو بھی درمیان میں شامل کرتے ہیں۔ یہ اس لیے میں کہتا ہوں کہ وہ اپنا مجرم مجھی کو گردانیں اور پروفیسر شیرانی کو شریکِ جرم قرار نہ دیں۔

(۱) پہلا الزام میرے خلاف یہ ہے کہ میں نے مولانا کی

نسبت یہ کہا کہ انھوں نے " بعض غیر اہم پہلوؤں کو غیر ضروری فروغ دیا ہے "۔ بے شک یہ بیان میرا ہے ۔ اس کے جواب میں فرمایا گیا ہے کہ "ان کا اعتراض صحیح نہیں کیونکہ ہم (کذا) نے بعض غیر اہم پہلوؤں کو فروغ نہیں دیا ہے "۔ میں اس قدر اضافہ کرتا ہوں کہ یہ میری رائے ہے ۔ مولوی صاحب کے نزدیک قیمت کا معاملہ اور ہندی کی چندی بے حد اہم ہو لیکن میرے نزدیک جو چیز اس مضمون میں، اور میں کیا ہر علم دوست شخص کی نگاہ میں [اہم ہے] مولانا شروانی کے وہ بیانات تھے جو انشا کے حالات پر جدید روشنی ڈالتے ہیں اور انھی کے متعلق مولوی صاحب نے ایک لفظ بھی تعریف کا نہیں کہا ۔

(۲) میں ان کے نمبر دو کے متعلق کچھ زیادہ نہیں کہنا چاہتا ۔ میں اس کے متعلق اوپر کہہ چکا ہوں۔

(۳) مولوی محفوظ صاحب نے جو کچھ کہا ہے میں تسلیم کرتا ہوں۔

(۴) میں اب بھی مولانا شروانی کے اس بیان کو کہ " نواب ذوالفقار الدولہ نجف خاں کے سرکاری ملازم تھے ۔ وہاں اہل کمال کا مجمع تھا ۔ ان کو بھی استفادے کا موقع ملا ۔ اسی فیضِ صحبت کا نتیجہ یہ تذکرہ ہے " تسلیم کرتا ہوں ۔ اور میں کیا تسلیم کرتا ہوں مصنف کا یہ اپنا بیان ہے۔ میں نے مصنف کی اصل عبارت بجنسہٖ نقل کردی ہے اور نہ اس سے زیادہ کوئی دلیل [و] برہان پیش کی ہے۔ اب بھی اگر مولوی محفوظ الحق صاحب معقول نہ ہوں تو میں مجبور ہوں ۔ وہ میرے بیان پر تو کیوں یقین کرنے لگے جب کہ مولانا شروانی کے بیان کو قبول نہیں کیا اور ان کے بیان کو کیا مانتے جب کہ خود مصنف 'مخزن الغرائب' کے بیانات [کو] نہیں مانا۔ مولوی

صاحب کی دلیلیں اس بارے میں، جو کچھ ہیں، دور از صحت ہیں۔ نجف خاں کی وفات اور مخزن الغرائب کی تکمیل کے عہد تک بے شک بائیس سال کا زمانہ ہوتا ہے اور اس زمانے میں، میں مانتا ہوں کہ مولوی صاحب کا یہ طباع مصنف خاموش نہیں رہا اور کچھ نہ کچھ کرتا ضرور رہا لیکن یہ ہماری سمجھ کا پھیر ہوگا اگر ہم اس تذکرے کی تالیف کی عزت نجف خانی دور کو نہ دیں کیونکہ اسی سبھا نے احمد علی سندیلوی میں وہ جوہر پیدا کر دیا جس نے آگے جا کر اسے 'مخزن الغرائب' کا مصنف بنا دیا۔ یہی وجہ ہے کہ اس تذکرے کے اختتام کے بعد جب اس نے دیباچے کے لیے قلم اٹھایا تو اس کو بائیس سال پہلے کی نجف خانی بزم یاد آ گئی جب کہ پہلی مرتبہ اس ضخیم مجلد کے لیے اس نے فارسی شعرا کے کلام و حالات کی یادداشتیں ایک بیاض بنانے کی امید میں رکھنا شروع کی تھیں اور جو بعد میں قتیل کی تحریک پر تذکرے کی شکل میں تدوین ہوئی۔ اسی بنا پر مولانا شروانی نے اگر اس تذکرے کو نجف خانی دور کے "فیضِ صحبت کا نتیجہ" مان لیا تو کیا گناہ کیا اور میں نے اگر ان کی تائید کر دی تو کون سے کبیرہ کا مرتکب ہوگیا۔ بہتر ہوتا کہ مولوی صاحب مجھ پر اعتراض کرنے کے بجائے خود مصنف کے بیان پر ٹھنڈے دل سے غور فرماتے۔ مولانا جن کو میرے دلائل بیان کرتے ہیں، میرے دلائل نہیں ہیں بلکہ خود مصنفِ تذکرہ کے بیانات جن کو میں نے خود مصنف کی زبان میں اپنے خلاصے کے ساتھ اپنے مضمون میں دے دیا ہے۔ اب جو صاحب خود مصنف کے بیانات کو تسلیم نہ کریں اور انہیں محض حریف کے دلائل کہہ کر ٹال دیں ان کو کیا سمجھایا جائے۔

مولوی صاحب دریافت فرماتے ہیں :

"کیا چندربھان برہمن، ملک شہید، لالہ ذوقی رام حیرت، لالہ سرب سنگھ دیوانہ، انشاالله خاں انشا اور میر تقی وغیرہ شعرا کے حالات اور ان کا کلام بھی اس کو خراسانی، عراقی اور خطۂ فارس کے دوستوں سے ملا تھا اور کیا جواہر لال دہر کے حالات بھی، جو تذکرے کی تالیف کے وقت کل سترہ برس کا [تھا] اور میرزا نجف خاں کی وفات کے پانچ سال بعد پیدا ہوا تھا، مؤلفِ تذکرہ نے خود میرزا نجف خاں کی حیات میں اس کی سرکار کے خراسانی عراقی اور خطۂ فارس کے دوستوں سے حاصل کیے تھے"۔

یہ اعتراضات اور اس قسم کے اور، غالباً مولوی صاحب نے مجھ کو بوجھ مارنے کے لیے کیے۔ وہی مثل کہ جاٹ رے جاٹ تیرے سر پر کھاٹ۔ جاٹ نے کہا تیلی رے تیلی تیرے سر پر کولھو۔ تیلی نے کہا دوست قافیہ تو ملاہی نہیں۔ جاٹ نے جواب دیا قافیہ نہ ملا تو کیا ہوا بچہ بوجھے تو ضرور مروگے۔ اگر مولوی صاحب کا یہ منشا ہے کہ میں اس قسم کے اعتراضات کے کولھو کے نیچے بوجھے مروں اور ان کا اس سے کچھ دل خوش ہوتا ہے تو بسم الله میں طیار ہوں۔ ہم پنجابی ہیں۔ بوجھ اٹھانے میں بنگال، بہار اور گویامو (کذا) والوں سے مضبوط ہیں۔ ورنہ اگر مجھ سے سچ بات کہلوائی جائے گی تو صاف کہوں گا (مولوی صاحب معاف کریں) کہ یہ اعتراض طفلانہ ہیں اور اصلی بحث سے بہت دور ہیں۔ میں اسی قدر کہوں گا کہ 'مخزن الغرائب' سنہ ۱۲۱۸ ھ میں تکمیل پاتا ہے اور ہے نجف خانی سبھا کا فیضِ صحبت۔ اگر مولوی صاحب اس بیان میں کوئی تناقض اور تضاد دیکھتے ہیں تو یہ میرا قصور نہیں ہے۔ میں نے یہ کب دعویٰ کیا کہ سارے حالات میرزا نجف خاں کی حیات میں خراسانی اور عراقی دوستوں سے حاصل کیے تھے، جس کی مولوی صاحب

نے اس زور و شور سے تردید کی ہے۔ میں نے تو اس سوال کو چھیڑا ہی نہیں اور اس کے متعلق اگر مولانا بے تاب ہیں تو میں پھر یہی کہوں گا کہ وہ اپنی اس قسم کی مشکلات کا حل صاحبِ مخزن الغرائب کے دیباچے سے کر سکتے ہیں، جہاں اس غریب نے اپنے تمام ماخذوں کی فہرست دے دی ہے۔

"خراسانی، عراقی اور خطۂ فارس کے دوستوں سے کیا خاص مدد ملی ہوگی کہ (بقول مولوی صاحب) ان کو کاغذات کے پرچوں پر علیحدہ علیحدہ لکھتا رہا۔"

اب میں اس کا کیا جواب دوں سوائے اس کے کہ پھر صاحبِ تذکرہ کے بیانات دہرا دوں۔ احمد علی فرماتے ہیں:

"اکثر اشعار از زبانِ عزیزانِ خراسان و عراق و فارس گوش زدِ فقیر شدہ بود۔ بر کاغذ پارہ ہا علیحدہ علیحدہ جمع آمدہ بود۔ خواستم کہ این ہمہ اشعار را فراہم ساختہ جہت مشغولی خاطر . . . رعایت کردہ آید چہ خوانندۂ این باآسانی ہر کدام شاعر را کہ بخواہد اشعارش برآوردہ بخواند بصواب نزدیک تراست بحسب فرمودۂ آن وحید عصر این جواہر زواہر بطریق تہجی در رشتۂ تحریر کشیدہ"۔

اس لیے میں اس اعتراض کو بجنسہٖ مع شکریہ واپس کرتا ہوں۔

"مولوی صاحب نے مولانا شروانی کے اس بیان 'نواب ذوالفقار الدولہ نجف خاں . . . (کے) فیضِ صحبت کا نتیجہ یہ تذکرہ ہے' کی تائید فرمائی ہے اور میرے بیان 'میرزا نجف خاں کی سرکار کا یہ فیضِ خاص نہیں' کی، تردید میں اپنے دلائل پیش کیے ہیں۔ لیکن ان کے دلائل اور طویل اقتباسات (کذا) سے صرف اتنا پتا چلتا ہے کہ مؤلف . . ."

وغیرہ وغیرہ۔

میں نے اس موقعے پر مولوی صاحب کے کسی بیان کی تردید نہیں کی ہے۔ مولانا شروانی اور خود مولوی صاحب کے بیانات کو آمنے سامنے رکھوا کر خود تذکرے کا بیان پڑھا اور اپنی طرف سے اس قدر اضافہ کیا ہے کہ مؤلف کے بیانات مولانا شروانی کے قول کے مؤید ہیں۔

اس سے میرا مقصد یہ نہیں کہ مؤلفِ تذکرہ نے صرف اسی معلومات کو [کذا۔ پر]، جو نجف خانی دور میں اس کے ہاتھ لگی تھی، قناعت کی۔ یہ تو سب جانتے ہیں کہ جیسا مصنفوں کا دستور ہے، احمد علی نے بھی "ز ہر گوشہ یافتم" [کے مصداق] اپنی تلاش ہر سمت میں جاری رکھی اور ہر ذریعے سے اپنا کام لیا۔ چنانچہ اپنے ایسے ماٰخذ کی اس نے علیحدہ تفصیل دے دی ہے اور کتابوں اور تذکروں وغیرہ کے نام دیباچے میں گنا دیے ہیں۔

میرے سامنے دو بیانات تھے۔ ایک تو مولانا شروانی کا کہ "اسی فیضِ صحبت کا نتیجہ یہ تذکرہ ہے"۔ دوسرے مولوی صاحب کا کہ "میرزا نجف خاں کی سرکار کا یہ فیض خاص نہیں۔" مؤلف خود کہتا ہے کہ نجف خاں کی وفات کے بعد اس نے یہ حالات فراہم کیے اور اپنے استاد میرزا قتیل کی فرمائش پر ان کو تذکرے کی صورت میں ترتیب دیا، میں نے مؤلف کے بیانات پڑھ کر اپنے حق میں یہ نتیجہ نکالا کہ مولوی صاحب کا پہلا بیان جو شروانی صاحب کے قول کی تردید کرتا ہے، صحیح نہیں کیونکہ در حقیقت اس دور کا فیضان ضرور شامل ہے کیونکہ مصنف خود اسی کا قائل ہے۔ مولوی صاحب کے دوسرے بیان کے متعلق مؤلف کچھ نہیں کہتا۔ مولوی صاحب کا تیسرا بیان کہ قتیل کی فرمائش پر تذکرے کی صورت میں ترتیب دیا، کسی قدر غلط فہمی پیدا کرنے والا ہے۔ کیونکہ مصنف کہتا ہے کہ میں اس مجموعے کو بیاض کی شکل میں ترتیب دینا چاہتا تھا لیکن

قتیل نے کہا کہ بیاضیں کثرت کے ساتھ ملتی ہیں، اس کو تذکرے کی صورت میں ترتیب دو۔ اس سے ظاہر ہے کہ قتیل کا صرف مشورہ ہے نہ کہ فرمائش۔ اس کی روشنی میں اگر میں شروانی صاحب کے قول کی تائید کروں تو میں نے کون سا ظلم کیا۔

(۵) میں مولوی صاحب کے اس بیان کو، کہ انھوں نے قتیل کا نام محمد حسن لکھا اور کاتب نے محمد حسین بنادیا، ماننے کے لیے طیار ہوں۔ اگرچہ میں نے مولوی صاحب کا اصلی مسودہ نہیں دیکھا ہے لیکن مولوی صاحب نے کتابت کی جو اور غلطیاں دکھائی ہیں اس کے سبب مجھ کو حیرت ہوتی ہے کہ 'معارف' جیسا علمی رسالہ اس قدر غفلت کے ساتھ نکالا جائے کہ جس میں کاتب مصنف کا شریک غالب بن جاتا ہے۔

آگے چل کر قتیل کی استادی کے ذکر کے وقت مولوی صاحب نے لکھا ہے: "مولوی صاحب صرف اسی تصحیح پر بس نہیں کرتے بلکہ میرے متعلق ایسا فقرہ بھی تحریر فرماتے ہیں جو شریعتِ تنقید میں ناجائز اور مذاقِ سلیم کے منافی ہے۔ وہ فرماتے ہیں: 'اگر مولوی صاحب میرزا قتیل کے حالات پر، جو مؤلف نے اسی تذکرے میں بیان کیے ہیں، ایک نظر ڈال لیں گے تو یہ شبہ، جس میں ان کے ساتھ ان کے انگریزی پیش رو بھی شریک ہیں، رفع ہوجائے گا۔

میں ناظرین سے سوال کرتا ہوں کیا میرے اس جملے میں کوئی ایسا بیان ہے جو قانون نقادی کی رو سے ممنوع یا مذاق سلیم کے خلاف ہے؟ مولانا [نے] خیال ظاہر فرمایا ہے کہ میں نے یہ فقرہ ان کے "مضمون کی وقعت گھٹانے کے لیے" لکھا ہے۔ لیکن میں یقین دلاتا ہوں کہ یہاں مولانا میرا مقصد غلط سمجھے۔ اگر میرے دل میں ان کے مضمون کی وقعت نہ ہوتی یا میں اس کو

کافی دلچسپ نہ مانتا تو خود کیوں اس مضمون پر قلم فرسائی کرتا رہا انگریزی پیش رووں کا سوال تو یہ کوئی ایسا گہرا راز نہیں ہے اور مولوی صاحب نے خدا جانے کیوں تجاہلِ عارفانہ اس موقعے پر اختیار کیا ہے۔ ورنہ جب وہ ڈاکٹر پرش کی فہرست سے، جو کہ جرمن زبان میں لکھی گئی ہے، واقف ہیں تو کیا برٹش میوزیم کی فہرست کتب قلمی سے واقف نہیں ہو سکتے۔ اس فہرست میں، ریو نے جہاں مصنف کو عزت‌الدولہ سہراب جنگ کا ملازم مانا ہے وہاں اس کو قتیل کا شاگرد بھی مانا ہے۔ سؤ اتفاق سے یہی دو باتیں مولوی صاحب کے مضمون میں بھی درج تھیں اس لیے میں نے دونوں جگہ 'مولوی صاحب کے انگریزی پیش رو' والا فقرہ لکھ دیا۔ میں یہی سمجھا کہ مولوی صاحب نے یہ دونوں باتیں ریو سے لی ہیں۔ مجھے علم نہیں تھا کہ ریو کو تو مولوی صاحب سے توارد ہو گیا ہے۔

(۶) اس نمبر میں مولوی صاحب نے حسین قلی خاں مصنف نشترِ عشق کے نام میں غلطی کے متعلق، جس کا میں نے اپنے مضمون میں بسبیلِ تذکرہ ذکر کیا تھا، معارف کے کاتب کا قصور بتایا ہے جس کو میں تسلیم کرتا ہوں۔

(۷) میں یہ دکھایا گیا ہے کہ بوڈلین کتب خانے کا نسخہ کیوں مولوی خدا بخش خاں مرحوم کے نسخے سے فائق ہے۔ ان کے متعلق خود مولوی صاحب کا بیان اس قسم کا تھا کہ مجھ کو تعجب کا اظہار کرنا پڑا۔ اب جب کہ مولانا نے اس گتھی کو سلجھا دیا ہے میں ان کے اس بیان کو تسلیم کرتا ہوں اور اپنا تعجب واپس لیتا ہوں۔ میں حیرت اسی لیے کر رہا تھا کہ نہ میں نے بوڈلین کتب خانے کا نسخہ دیکھا ہے اور [نہ] خدا بخش مرحوم کا۔

(۸) یہاں سے گویا مولوی صاحب میری غلطیاں بلکہ بقول ان کے صریحی (کذا) غلطیاں، جن کا وہ تمہید میں ذکر کر چکے ہیں، بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ میری عبارت ذیل سب سے پہلے انہوں نے نقل کی ہے:

"پروفیسر حافظ محمود خاں شیرانی، پروفیسر، اسلامیہ کالج لاہور کا نسخہ، جو اس وقت میرے پیشِ نظر ہے، دارالمصنفین کے نسخے سے بھی قدیم ہے اور ابھی تک اس کو شرفِ اولیت حاصل ہے۔ اس نسخے کی تاریخِ کتابت سنہ ۴۲ جلوس شاہ عالم مطابق سنہ ۱۲۱۹ھ اور مقامِ کتابت لکھنؤ ہے۔ ایک اور لحاظ سے بھی اس نسخے کو امتیاز حاصل ہے، یعنی یہ کہ وہ مؤلف کے اصل مسودے سے منقول معلوم ہوتا ہے۔ اس میں بعض معاصرین کے حالات، جو اصل مسودے میں شامل نہیں تھے، بعد میں حاشیے پر اضافہ کیے گئے ہیں۔ اس سلسلے میں یہ اصحاب قابلِ ذکر ہیں:

سید انشاءاللہ خاں انشا، حضرت شاہ علی اکبر، میاں فرخ حسین حرماں، سید میر علی حریق، غلام فخرالدین خاں حیرت، مولوی مصطفیٰ علی خاں گوپاموی خوشدل، جواہر لال دبیر، حاجی عابد صفاہانی، سید تقی میر (شاعر مشہور)، لچھمی نرائن محبت، میرزا ابوالمعالی عالی وغیرہ۔

معلوم ہوتا ہے کہ جو اسماء مصنف کی پہلی اشاعت سنہ ۱۲۱۸ھ میں، اگر در حقیقت اس وقت تک کوئی اشاعت ہوچکی تھی، داخل ہونے سے رہ گئے تھے وہ اس نسخے میں اضافہ کر دیے گئے"۔

یہ ایک صاف سا بیان ہے لیکن مولانا محفوظ الحق صاحب نے ابتدا میں اس کو یہ کہہ کر رد کردیا کہ "مولوی صاحب نے مندرجہ بالا سطور میں چند در چند غلطیاں کی ہیں"۔ گویا سماعتِ مقدمہ سے

پیش‌تر سزا سنادی گئی۔ یا بقول انگریزوں کے گھوڑے کے آگے گاڑی کھڑی کردی۔

(الف) ان چند در چند اور صریحی غلطیوں میں سب سے اقدم یہ ہے کہ میں نے مولوی مصطفٰے علی خاں گوپاموی خوشدل تخلص کا نام بھی دیا تھا۔ اب 'ھمایوں' کے کاتب اور مولوی محفوظ الحق صاحب نے بفحوای یکے‌را دو کرد و دو را چار کرد، مصطفٰے علی‌خاں خوشدل کی شان یکتائی کو گوارا نہ کر کے ان کی ذات واحد میں ثنویت قائم کردی۔ شکر ہے کہ ان کو اقانیم ثلاثہ میں تقسیم نہ کردیا گیا۔ لیکن مولوی صاحب نے کاتب صاحب 'ھمایوں' سے سبقت لے جانے کی امید میں کفر و اسلام کی تقسیم کو در نظر رکھتے ہوئے بے چارے مصطفٰے علی خاں خوشدل کو ہندو اور مسلمانوں میں نصف نصف کردیا۔ مولوی مصطفٰے علی خاں کو مسلمانوں کے حوالے کردیا اور گوپاموی خوشدل کو ہندوؤں کے لیے محفوظ رکھا۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

"انھوں نے مولوی مصطفٰی علی خاں کے بعد ایک شخص گوپاموی خوشدل کا ذکر کیا ہے اور بظاہر نام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی ہندو بزرگ ہیں۔" اور اب مجھ کو سبق دیا جاتا ہے کہ گوپامو کے ہیں۔ میں مولوی صاحب کے اس جدید انکشاف کا بےحد شکرگزار ہوں۔ مولانا ثبوت کے لیے قدرت‌اللہ کا 'نتائج' پیش کرتے ہیں۔ لیکن اگر وہ مخزن الغرائب ہی کو ملاحظہ فرمالیتے تو اس غلط فہمی سے بچ سکتے تھے۔ اس میں صاف مولوی مصطفٰے علی خاں کا تخلص خوشدل لکھا ہے۔

(ب) ان چند در چند غلطیوں میں میری دوسری غلطی حسب ذیل ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

"دوسری غلطی یہ کہ مولوی صاحب نے جہاں اور معاصرین کا ذکر کیا ہے ۔ منجملہ ان کے میرزا ابوالمعالی عالمی کا بھی نام لیا ہے اور چونکہ ان کا نام میر (میر تقی) اور محبت (لچھمی نرائن) کے بعد آیا ہے اس لیے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ وہی ابوالمعالی ہیں جن کا ذکر مؤلف تذکرہ نے حرف میم میں کیا ہے۔ اگر یہ واقعی وہی ابوالمعالی ہیں تو مولوی صاحب نے سخت غلطی کی ہے۔"

خط کشیدہ عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی صاحب کو میری اغلاط بتانے کا اس قدر جوش ہے کہ اگرچہ وہ میری موہوم غلطی پر خود مطمئن نہیں ہیں تاہم اس کا شمار میری صریحی (کذا) غلطیوں میں کر رہے ہیں۔ میں پوچھتا ہوں، کیا ایک عالم کا یہ رویہ ہونا چاہیے؟ ذرا ان الفاظ پر غور کیا جائے "اگر یہ واقعی وہی ابوالمعالی ہیں تو . . ." مولوی صاحب نے سخت غلطی کی ہے۔ مولوی صاحب بتانے چلے ہیں میری اغلاط لیکن اب شرطیہ جملوں پر اتر آئے ہیں۔ اب میں اپنی خطا کا اقرار کرتا ہوں معترف ہوں کہ بے شک میری مراد اسی ابوالمعالی عالمی سے ہے جس کا ذکر مؤلف نے حرف 'میم' میں کیا ہے۔ مولوی صاحب میری یہ سخت غلطی اس طرح ثابت کرتے ہیں:

"یہ ابوالمعالی مؤلف تذکرہ کے معاصر نہ تھے کیونکہ ان کے حالات میں خود مؤلف مخزن الغرائب لکھتا ہے: 'میرزا ابوالمعالی مشہدی، شیخ محمد علی حزیں در تذکرۃ المعاصرین ذکراو نمودہ۔'

. . . چونکہ تذکرۃ المعاصرین سنہ ۱۱۶۵ ھ میں لکھا گیا ہے اس لیے ظاہر ہے کہ وہ یعنی مرزا ابوالمعالی مخزن الغرائب کی تالیف سے کوئی ۵۳ سال قبل مر چکے تھے۔" دیکھیے میں نے ابوالمعالی

عالی کا ذکر کیا تھا اور مولوی صاحب نے میری تردید و تجہیل کے ذوق میں غریب مرزا ابو المعالی مشہدی کو بے گناہ اور بے قصور پکڑلیا اور پھر ستم ظریفی یہ کی کہ سارا الزام میرے سر تھوپ دیا۔ یہ تو وہی مثل ہوئی، کرے ڈاڑھی والا اور پکڑا جائے مونچھوں والا، چنانچہ:

"لیکن مولوی صاحب ان کو مؤلفِ مخزن الغرائب کے معاصروں میں داخل کرتے ہیں جو باعثِ حیرت ہے۔ اس کے علاوہ ایک امر قابلِ غور یہ بھی ہے کہ مؤلفِ تذکرہ نے میرزا ابوالمعالی کے نام کے ساتھ عالی تخلص کا ذکر نہیں کیا اور نہ حزیں نے اپنے تذکرے میں ان کے تخلص کا ذکر کیا ہے لیکن مولوی صاحب اس ابوالمعالی کے ساتھ بھی عالی تخلص کا ذکر کرتے ہیں۔"

یک نہ شد دو شد یعنی اس احقر عبداللہ نے نہ صرف اس کو معاصر مانا بلکہ دوسری غلطی یہ کی کہ اس کے نام کے ساتھ عالی کا تخلص بھی اضافہ کردیا۔

بعد میں مولوی صاحب نے دو اور ابوالمعالیوں کا ذکر کیا ہے، جن کا تخلص عالی ہے۔ ایک تو ابوالمعالی نیشاپوری اور دوسرے میرزا ابوالمعالی معروف بہ وزارت خاں۔

میں مولانا کو اس کدوکاوش کے ساتھ میری اغلاط کی فہرست کو مکمل کرنے پر مبارک باد دیتا ہوں اور ساتھ ہی تعجب کا اظہار کرتا ہوں کہ انہوں نے مخزن الغرائب [کے ہر] ابوالمعالی کی تلاش کرلی لیکن پھر بھی اصلی ابوالمعالی کو جو اسی کتاب کی فہرست ہی میں درج ہے اور جو مصنف کا معاصر بھی ہے اس کا پتا نہ لگا سکے۔ میں امید کرتا ہوں کہ مولوی صاحب ان لوگوں

میں سے نہیں ہیں جو کتاب سے بالشت بھر اونچی نظر رکھتے ہیں۔ اب میں پھر درخواست کرتا ہوں کہ وہ دوبارہ مخزن الغرائب کو دیکھیں اور وہاں ابوالمعالی عالی ان کو مل جائے گا۔ میں مختصراً اس کے بعض حالات ذیل میں حوالۂ قلم کرتا ہوں۔ [اس مقام پر مسودے میں تھوڑی سی جگہ چھوڑدی گئی ہے: مرتب]

(ج) میری تیسری غلطی، جو کہ بقول مولوی صاحب نہایت سخت اور افسوس ناک ہے، یہ ہے کہ میں نے انشاالله خاں اور میر تقی وغیرہم کے متعلق یہ کہا کہ ان کے حالات جو پہلی اشاعت ۱۲۱۸ھ میں، اگر درحقیقت اس وقت تک کوئی اشاعت ہوچکی تھی، داخل ہونے سے رہ گئے تھے، بعد میں اضافہ کیے۔ میری اس 'اہم غلطی' کو مولوی صاحب [نے] ایک طویل بحث کے ذریعے سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ [یہ] درحقیقت اس قابل نہ تھی کہ میرے مخدوم اس پر اپنا وقت ضائع کرتے۔ کیونکہ اول تو یہ میری رائے ہے۔ دوسرے بحیثیت نقاد ان کا یہ بھی فرض تھا کہ پیش‌تر اس کے کہ میری تردید میں ساعی ہوتے 'مخزن الغرائب' کے اصلی نسخے کا سراغ لگاتے اور پھر اس کی رو سے مجھ کو قائل کرتے یا کم از کم اس نسخے کو جو پروفیسر شیرانی کی ملک ہے، دیکھتے، اس کے بعد اپنی رائے قائم کرتے۔ اب حالت یہ ہے کہ میرے مخدوم نے نہ احمد علی کے اصل نسخے کو دیکھا ہے اور نہ پروفیسر شیرانی کے نسخے کو اور نہ ان کے چہرے سے واقف ہیں لیکن تردید بغرض تردید کر رہے ہیں۔ وہ اپنے دلائل سے میری ایک مفروضہ غلطی طشت از بام کرنے میں ساعی ہیں حالانکہ اس تگ ودو میں ذرا سی سمجھ کی ضرورت ہے۔ ایک مصنف ۱۲۱۷ھ میں ایک مسودہ طیار کرتا ہے۔ کیا وہ اس کو دو سال بعد اپنی تصنیف میں شامل

نہیں کر سکتا؟ میں نے تذکرے کی تاریخ سنہ۱۲۱۸ھ کے متعلق کوئی سوال نہیں اٹھایا ہے لیکن اس سے یہ تو ناممکن نہیں ہو جاتا کہ احمد علی چند شعراء کے حالات اس کے دوسرے سال یعنی سنہ۱۲۱۹ھ میں اضافہ کردے۔ آخر سنہ۱۲۱۸ھ اور سنہ۱۲۱۹ھ میں فرق ہی کتنا سا رہ جاتا ہے؟ کم سے کم دو دن کا اور زائد سے [زائد] دو سال کا۔ اور اس عرصے میں ایسے ضخیم تذکرے کی جیسا کہ مخزن الغرائب ہے، بیسیوں نقول طیار نہیں کی جا سکتیں۔ مصنف ان ایام میں میرزا زین العابدین کا ملازم اور لکھنؤ میں مقیم ہے اور لکھنؤ ہی میں پروفیسر شیرانی کا یہ نسخہ طیار ہوا ہے۔ بعض معاصرین کے حالات جو حاشیے میں ملتے ہیں، میں کہتا ہوں کہ اگر وہ اصل نسخے میں تھے تو میں پوچھتا ہوں کہ اس نسخے میں حاشیے پر کیوں ہیں؟ کیا کاتب ایسے ہی لوگوں کے ذکر کے لکھنے میں، جو مصنف کے ہم عصر ہیں، ہر ہر جگہ نقل کے وقت دو دو ورق لوٹ گیا؟ پھر یہ حالات بھی طویل ہیں مثلاً انشا اللہ خاں کے پورے تین صفحوں کے حاشیوں پر ہیں۔ پھر یہ حالات کاتب کے قلم سے نہیں ہیں، بلکہ ایک ایسے خط میں [ہیں] جو اگرچہ پختہ اور کاتب کے خط سے بہتر ہے پھر بھی نستعلیق نہیں ہے۔ اس کتاب میں موقعے موقعے پر خود متن میں جگہ چھوڑی گئی ہے۔ بعض جگہ کسی غیر قلم میں وہ جگہ پر کردی گئی ہے اور بعض جگہ ابھی تک خالی ہے۔ بعض موقعوں پر کاتب کو ہدایت کی گئی ہے کہ یہاں جگہ چھوڑ دے۔ مثلاً ایک جگہ لکھا ہے کہ یہاں دس سطروں کی جگہ چھوڑدیں۔ بے شمار موقعے ایسے موجود ہیں جہاں شاعر کے حالات میں مزید اضافے کیے گئے ہیں جن کو کوئی سمجھ دار آدمی کاتب کی فروگزاشت کے نام سے یاد نہیں کرسکتا بلکہ ان اضافوں کا صحیح منشا

متن میں مزید اضافہ اور اس کی ترقی ہے مثلاً اثیرالدین اخسیکتی کے حالات متن میں یوں لکھے ہیں :

"اثیرالدین اخسیکتی۔ وے از شعرائے اساتذہ است و باخاقانی معاصر و معارض است۔ ازوست"

لیکن اخسیکتی پر ۱۲ کا ہندسہ ڈال کر حاشیے پر یہ اضافہ کردیا:

"از شہرستان فرغانۂ ماوراالنہر بودہ"

اسی طرح اثیرالدین ابہری کے واسطے متن میں لکھا ہے :

"اثیرالدین ابہری از حکمائے عصر خود بودہ تصانیف عالی در حکمت دارد۔ ازوست"۔

لیکن اس نسخے میں اثیرالدین کے نام کے اوپر کسی اور قلم میں بین السطور میں لکھا ہے : "اسمہ مفضل بن عباس" اور "ازوست" سے پہلے ۱۲ کا ہندسہ ڈال کر اسی قلم سے لکھا ہے :"کتاب کشف در حکمت و محصول و اشارات و زبدہ و بیان و ہدایہ از جملہ تصانیف اوست"۔

مولوی صاحب اس قسم کے اضافوں کو کاتب کی فروگزاشت کہیں گے لیکن میں اس بارے میں ایسے لوگوں کی رائے کا متبع ہوں جو ان چیزوں کے متعلق مولوی صاحب سے بہتر تجربہ رکھتے ہیں۔ میں یہاں بعض اور مثالیں دیتا ہوں :۔

میر سید علی مصوّر کے واسطے متن میں یہ عبارت ہے :

"میر سید علی مصوّر جدائی تخلص شاعر نیکو بیانست درعہد اکبر بادشاہ درہند بودہ۔ شیخ عبدالقادر بدایونی ذکروے را کردہ۔ این چند بیت ازوست"۔

لیکن "ذکر وے را کردہ" پر سرخ سیاہی سے قلم پھیر کر حاشیے پر لکھا ہے :

"گویند کہ حیثیات بسیار دارد - ہر صفحہ تصویر وے کارنامہ ایست و در ہندوستان ثانیٔ مانی بودہ و قصۂ امیر حمزہ در شانزدہ جلد مصوّر باہتمام وے اتمام یافت - ہر جلد ے صد ورق وہر ورقے یک ذرع و درہر صفحہ صورتے میر دیوانے تمام کردہ"

اس کے بعد متن میں تین شعر لکھ کر اور آخری شعر کے خاتمے میں ۱۳ کا ہندسہ ڈال کر حاشیے میں برابر ہی ایک شعر لکھ دیا - اس شعر کے آخر میں پھر ۱۴ کا ہندسہ ڈال کر دوسرے مقام پر دو اور شعر لکھے ہیں -

'جدائی' کے بعد ہی بادشاہ قلی جذبی کا ذکر آتا ہے اور آٹھ اشعار کلام کے نمونے میں دیے ہیں - اس کے بعد 'جذبی مذکور' حاشیے پر سرخ سیاہی میں لکھ کر تین شعر اور دیے ہیں، اب دوسری جگہ 'تتمہ جذبی مذکور' دے کر دو اور شعر لکھ دیے ہیں -

اس قسم کی سیکڑوں مثالیں دی جاسکتی ہیں جس سے یہ قیاس ہوتا ہے کہ متن کی اصلاح اور ترقی منظور ہے - کاتب سے جو فروگزاشتیں ہیں وہ علیحدہ ہیں - لیکن اس بحث کے ختم کرنے کے لیے میں اس قدر کہتا ہوں کہ پروفیسر شیرانی کا نسخہ ایک اور نسخے سے، جو غالباً اصل ہوگا، منقول ہے - کیونکہ ابتدا میں تمام ایسے شعراً کی، جو متن میں مذکور ہیں، فہرست دے دی گئی ہے - لیکن ایسے شعراً جن کا ذکر حاشیے پر آتا ہے، اکثر ایسے ہیں جن کا نام فہرست میں شامل نہیں - اس سے بھی واضح ہوتا ہے کہ یہ اضافے، اس نسخے کے اصل نسخے سے نقل کیے جانے کے بعد، کیے گئے ہیں - جس اصل سے یہ نسخہ منقول